ستمبر ۱۹۸۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

★ ”جمہوریت کی تائید اور اسلامی انقلاب کی جدوجہد ہمارا لائحہ عمل ہے“
رفقاء تنظیم اسلامی سے امیر تنظیم کے حالیہ خطاب کا مکمل متن

★ کیا سندھ کو نبی اکرمؐ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے؟ دینی سکالر و مؤرخ ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

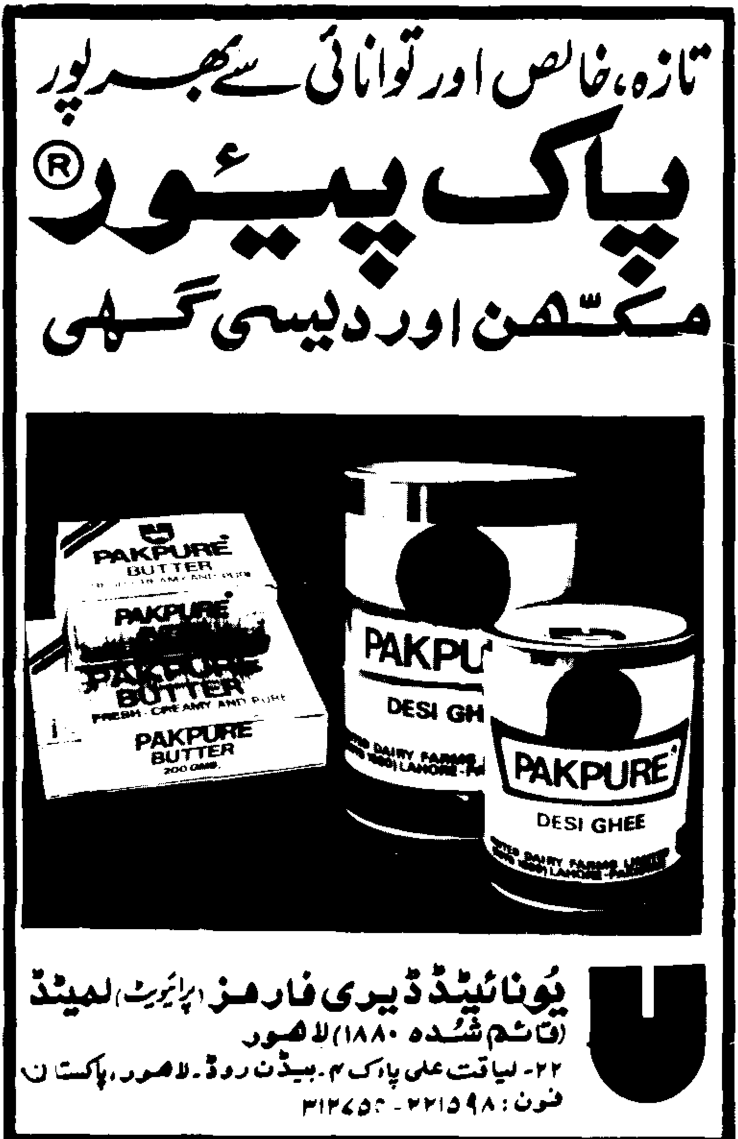

SV ADVERTISING

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد:	۳۸
شمارہ:	۹
صفر المظفر	۱۴۱۰ھ
ستمبر	۱۹۸۹ء
فی شمارہ	-/۵
سالانہ زرِتعاون	-/۵۰

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات۔ ۲۵ سعودی ریال

ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا۔ ۶ امریکی ڈالر

یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔ ۹۔ امریکی ڈالر

شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔ ۱۲۔ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیوٹ) لمیٹڈ۔

مشمولات

عرضِ احوال ——— ۳

عاکف سعید

تذکرہ وتبصرہ ——— ۷

جمہوریت کی تائید اور اسلامی انقلاب کی جدوجہد ہمارا لائحہ عمل ہے!

رفقائے تنظیم اسلامی سے امیر تنظیم کا خطاب

الہدیٰ ——— ۳۳

مسلمانوں کی سیاسی وملی زندگی کے رہنما اصول سورۃ الحجرات کی روشنی میں (۸)

ڈاکٹر اسرار احمد

مشاہدات وتاثرات ——— ۴۹

بے پردگی اور عریانی کی دوڑ میں ٹی وی کسی سے پیچھے نہیں!

لاہور میں پی ٹی وی کے دفاتر کے سامنے تنظیم اسلامی کا پُرامن احتجاجی مظاہرہ

"مرے حلقۂ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں"! ۵۶

چوتھی تربیت گاہ برائے مبتدی رفقاء کی ایک منفرد انداز کی رپورٹ

افکار و آراء ——— ۶۱

ایران کے اہلِ اقتدار سے ایک سوال

'نہی عن المنکر' پر عمل پیرا ہونا وقت کا امر ہے

مراد آباد (بھارت) سے ملتِ اسلامیہ کا درد رکھنے والے ایک بزرگ کا خط

تحریک رجوع الی القرآن ——— ۶۸

دینی تعلیم کا ایک سالہ نصاب

عربی زبان سیکھ کر قرآن حکیم کا براہِ راست فہم حاصل کرنے کا بہترین موقع

رفتارِ کار ——— ۷۳

کراچی اور راولپنڈی سے موصول شدہ رپورٹوں پر مشتمل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب حسب پروگرام ۱۲ اگست کو کراچی سے پیرس تشریف لے گئے تھے جہاں عالم اسلام کے مشہور سکالر اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ سے ان کی ملاقات کا پروگرام طے تھا۔ وہیں سے امیر محترم کو ملفورڈ (ڈیٹرائٹ) کے سات روزہ بین الاقوامی مسلم تربیتی کیمپ میں شرکت کی غرض سے امریکہ کے لیے عازم سفر ہونا تھا۔ اس کیمپ کے لیے ۲۰ تا ۲۶ اگست کی تاریخوں کا تعین کئی ماہ قبل کر دیا گیا تھا اور امیر تنظیم اسلامی کو اس میں مرکزی مقرر اور مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ الحمد للہ کہ اس کیمپ کا انعقاد طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوا اور امریکہ سے آمدہ اطلاعات کے مطابق حسب توقع امریکہ اور کینیڈا میں مقیم تنظیم اسلامی اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے وابستگان کی اکثریت نے جو اکثر و بیشتر پاکستان اور ہندوستان کے اُن مسلمانوں ہی پر مشتمل ہے جو امریکہ میں مستقلاً یا عارضی طور پر مقیم ہیں، اِس کیمپ میں اپنے اہل خانہ سمیت شرکت کی اور اس طرح یہ پروگرام بہت بھرپور اور کامیاب رہا۔ ناظم اعلیٰ برائے بیرون پاکستان محترم قمر سعید قریشی صاحب اور انجمن خدام القرآن سندھ کے صدر محترم سراج الحق سید صاحب اس سفر میں امیر تنظیم کے ہمراہ ہیں۔ اِس تربیتی کیمپ کے بعض پروگراموں کو CONDUCT کرنے کی ذمہ داری محترم سید صاحب کے کاندھوں پر تھی اور امریکہ میں مقیم رفقاءِ تنظیم اور وابستگانِ انجمن سے فرداً فرداً رابطہ اور اُن کی اجتماعی کارکردگی کا جائزہ حسبِ سابق محترم قریشی صاحب کے ذمے تھا۔ اِس دورے کی تفصیلات سے آگاہی تو وسط ستمبر میں اِن قابلِ احترام بزرگوں کی مراجعت پر ہی ہو سکے گی، تاہم ہماری کوشش ہو گی کہ اگلے شمارے میں دورے کی تفصیلی رپورٹ کو ضرور شامل کر دیا جائے۔

امیر محترم کی امریکہ روانگی سے چند روز قبل، ۱۲ اگست کو لاہور میں رفقاءِ تنظیم اسلامی کا ایک خصوصی اجتماع منعقد ہوا تھا۔ اِس اجتماع میں امیر تنظیم کا خطاب بہت سے اعتبارات سے خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ اِس خطاب میں امیر محترم نے موجودہ حالات میں تنظیم اسلامی کو درپیش سخت مراحل کا ذکر کرتے ہوئے قومی و سیاسی معاملات میں اپنے مؤقف کا خلاصہ بھی پیش کیا تھا اور ان مقدمات

کا ایک بار پھر تفصیلی اعادہ کیا تھا جن پر اُن کا فکری استدلال اور موقف استوار ہے۔ رفقاءِ تنظیم کو صبر و مصابرت کی تلقین، خصوصاً اپنے موقف پر صبر و استقامت کی تاکید کرتے ہوئے تنظیم کے آئندہ لائحۂ عمل اور حکمتِ عملی کے بارے میں تفصیلی ہدایات اور مشورے بھی انہوں نے رفقاءِ تنظیم کے گوش گزار کیے تھے۔ امیر محترم کے خطاب میں فکری غذا کا توشہ بھی وافر تھا اور پیغامِ عمل کی فراوانی بھی، شدتِ احساس کی تپش بھی تھی اور سوزِ دروں کی آنچ بھی، اندیشہ ہائے فردا کی نشاندہی بھی تھی اور وقت کی نزاکت کا احساس بھی، افہام و تفہیم کا انداز بھی تھا اور تلقین و نصیحت کا اسلوب بھی، حالات کی تجزیہ نگاری بھی تھی اور راہِ عمل کی تعیین بھی، اپنے استدلال کی صحت کا یقین بھی تھا اور اپنے فکر کی درستی کا ایقان بھی، اپنے موقف پر استقامت کا عزم بھی تھا اور صبر و مصابرت کی تاکید بھی، مضبوط و پر اعتماد لہجے کی کھنک بھی تھی اور نرم گفتاری کی مٹھاس بھی۔ چنانچہ اِس اہم خطاب کو جلد از جلد مرتب کر کے قابلِ اشاعت بنانا ہماری ترجیحِ اوّلین بن گیا تھا۔ اگرچہ امیر محترم کے اس خطاب کا خلاصہ ماہ گزشتہ کے دَوران ہفت روزہ 'ندا' کے دو شماروں میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے لیکن وہاں چونکہ اختصار کے پیشِ نظر بعض باتیں حذف کر دی گئی تھیں اور بالخصوص خطاب کا آخری حصہ جو رفقاء کے لیے ہدایات و تجاویز پر مشتمل تھا کچھ زیادہ ہی مختصر کر دیا گیا تھا لہٰذا رفقاء و احباب اور قارئین 'میثاق' کے افادے کی خاطر اِس خطاب کو نوک پلک کی مزید درستی اور اختصار میں کسی قدر کمی کے ساتھ زیرِ نظر شمارے میں یکجا شائع کیا جا رہا ہے تاہم اِس سلسلے میں 'ندا' کا شکریہ نہ ادا کرنا احسان ناشناسی کے زمرے میں آئے گا کہ اِس خطاب کی ترتیب و تسوید کے سلسلے میں ادارۂ 'ندا' کی محنت سے ہم نے بھی استفادہ کیا ہے۔

تنظیم اسلامی کے تحت مبتدی اور منتظم رفقاء کی تربیت گاہوں کا جو سلسلہ چند ماہ قبل لاہور میں شروع ہوا تھا، الحمد للہ کہ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق باقاعدگی سے جاری ہے۔ صرف اِس فرق کے ساتھ کہ اِس سلسلے کی ابتدائی تربیت گاہیں قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوئی تھیں جبکہ گزشتہ ماہ کے دوران تربیتی پروگراموں کا انعقاد تنظیم اسلامی کے مرکزی دفتر، گڑھی شاہو میں ہوا۔ ماہِ اگست کے دوران جن تربیتی پروگراموں کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا تھا، اللہ کی نصرت و تائید سے وہ پروگرام موسم کی شدت اور بارشوں کی غیر یقینی صورتِ حال کے باوصف اعلان کردہ تاریخوں کے مطابق منعقد ہوئے۔ مختلف شہروں کے رفقاءِ تنظیم نے اِن تربیت گاہوں میں شرکت کی اور فکری غذا کے ساتھ ساتھ جذبۂ عمل سے بھی انہوں نے بقدرِ صلاحیت و وسعت حصہ پایا۔ پچھلے 'میثاق' میں چونکہ مبتدی اور

منتظم رفقاء کے لیے منعقد ہونے والی ابتدائی تربیت گاہوں کی مفصل رپورٹیں شائع ہو چکی ہیں لہٰذا ماہِ اگست کے دوران منعقدہ تربیت گاہوں کی تفصیلی رپوڑیں شائع کرنا ہماری دانست میں غیر ضروری ہے۔ تاہم 'مشاہدات و تأثرات' کے زیرِ عنوان ہمایوں ارشد صاحب کی ارسال کردہ ایک رپورٹ چونکہ ذرا مختلف انداز میں تحریر کی گئی تھی اور اس کا مضمون سابقہ رپورٹوں سے بہت ہٹ کر تھا لہٰذا اُسے اس شمارے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح کراچی میں منعقد ہونے والی مبتدی رفقاء کی تربیت گاہ کی رُوداد کو بھی اس پرچے میں جگہ دی گئی ہے کہ شہرِ کراچی میں اس طرح کی تربیت گاہ کے انعقاد کا یہ پہلا موقع تھا۔ مزید برآں اخبارات میں بے پردگی اور عریانی کے فروغ کے خلاف پُرامن احتجاجی مظاہروں کا جو سلسلہ لاہور میں شروع ہوا تھا، ماہِ گزشتہ کے دوران اس کا دائرہ کار پاکستان کے دوسرے شہروں تک وسیع کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ کراچی اور راولپنڈی میں کیے گئے مظاہروں کی مختصر رپورٹوں اور لاہور میں ٹی وی اسٹیشن کے سامنے کیے جانے والے احتجاجی مظاہرے کی رُوداد کو بھی شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔

قرآن کالج میں ایف اے کے داخلے اپنے آخری مراحل میں داخل ہو چکے ہیں۔ الحمد للہ کہ نصف صد درخواستیں آج کی تاریخ تک وصول ہو چکی ہیں اور مزید کی بھی توقع ہے۔ ہم نے درخواستیں وصول کرنے کی آخری تاریخ ۳۱ اگست طے کی تھی لیکن چونکہ طلبہ کے انٹرویوز محترم ڈاکٹر صاحب کی پاکستان واپسی پر ہوں گے، جو وسط ستمبر تک متوقع ہے، لہٰذا تاخیر سے موصول ہونے والی درخواستوں کو بھی زیرِ غور لایا جا سکے گا۔ اس طرح امید ہے کہ قرآن کالج کی ایف اے کلاس کو، جس کا اجراء اسی سال سے ہو رہا ہے، ایک اچھا آغاز مل سکے گا۔ بی اے کے لیے داخلے بھی عنقریب شروع کیے جائیں گے۔ اور ایک سالہ تدریسی نصاب کی نئے سال کی کلاس کا آغاز بھی ان شاء اللہ ۱۵ اکتوبر تک ہو جائیگا۔ موخر الذکر دونوں کلاسوں میں داخلوں کے سلسلے میں تاریخوں کے اعلان اور ایک سالہ تدریسی نصاب کے جائزے پر مشتمل لطف الرحمٰن خان صاحب کا ایک اہم مضمون اسی شمارے میں شامل ہیں۔ تحریک رجوع الی القرآن اور تعلیم و تعلم قرآن سے دلچسپی رکھنے والے احباب سے گزارش ہے کہ انہیں نظر سے ضرور گزار لیں اور دیگر رفقاء و احباب سے بھی التماس ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس میں اپنا بھرپور حصہ ادا کرنے کے معاملے پر سنجیدگی سے غور کریں۔

تنظیمِ اسلامی کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے

ستمبر اور اکتوبر ۸۹ء کے مجوزہ پروگرام

(۱)

۸ر تا ۱۵ر ستمبر ۸۹ء

تربیت گاہ برائے مبتدی رفقاء

بمقام: مرکزی دفتر تنظیمِ اسلامی گڑھی شاہو، لاہور

تنظیمِ اسلامی میں نئے شامل ہونے والے رفقاء کے علاوہ وہ پرانے رفقاء بھی اس میں شریک ہوں جنہوں نے ابھی تک مبتدی تربیتی نصاب شروع نہیں کیا۔

(۲)

یکم تا ۳ر اکتوبر ۸۹ء

اجتماعِ رفقاء بسلسلہ اظہارِ خیال

بمقام: قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن - لاہور

اس اجتماع میں رفقاء مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کریں گے تاکہ تنظیمِ اسلامی کے ذمہ دار حضرات ان کی آراء سے استفادہ کر سکیں

(۳)

۲۰ر تا ۲۷ر اکتوبر ۸۹ء

تربیت گاہ برائے منتظم رفقاء

اس میں وہ رفقاء شریک ہوں گے جنہوں نے مبتدی تربیتی نصاب مکمل کر لیا ہو

تذکرہ وتبصرہ

جمہوریت کی تائید اور اسلامی انقلاب کی جدّوجہد ہمارا لائحہ عمل ہے ہمیں صبر و مصابرت کی روش پر کاربند رہنا ہوگا

—— رفقاءِ تنظیم اسلامی سے امیرِ تنظیم کا خطاب ——

رفقائے گرامی! آج کے اجتماع میں اگرچہ میرا تقریر کرنے کا پہلے سے کوئی ارادہ نہ تھا بلکہ اس کے انعقاد میں کچھ اور مصلحتیں پیش نظر تھیں۔ لیکن آج مجھے اچانک عصر کی نماز کے بعد خیال آیا کہ ع "امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے!" میں اگلے چند روز میں ایک طویل سفر پر جارہا ہوں' کسے خبر ہے پھر ملاقات ہوتی ہے یا نہیں ہوتی! زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس وقت اگر لاہور کے رفقاء ایک معتدبہ تعداد میں جمع ہوں گے تو کچھ اہم باتیں اس موقع پر گوش گزار کردوں گا اور چونکہ اس کو ٹیپ کر لیا جائے گا اور ملک کے طول و عرض میں رفقاءِ تنظیم تک وہ کیسٹ پہنچ جائے گا تو اس وقت درحقیقت میں صرف آپ حضرات سے ہی مخاطب نہیں ہوں بلکہ میرا خطاب تنظیم کے تمام رفقاء سے ہے۔

مرحلہ سخت ہے

مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے' ہم میں سے ہر شخص واقف ہے کہ اس وقت ہماری یہ چھوٹی سی تحریک اور تنظیم ایک سخت مرحلے سے دوچار ہے۔ فضا جو بن رہی ہے اور خاص طور پر پنجاب میں جو سیاسی رخ اختیار کر چکی ہے' وہ ہمارے لئے نہایت ناساز گار بلکہ مخالفانہ ہے اور مختلف اطراف و جوانب سے اس کے شواہد سامنے آ رہے ہیں۔ یہ صورت حال اسی انداز میں آگے بڑھتی رہی تو اس میں مزید شدت پیدا ہونے کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ خاصی توقع ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات جو میں کہنا چاہوں گا' یہ ہے کہ اس قسم کے مراحل تحریکوں کے لئے مفید بھی ہو جاتے ہیں اور مضر بھی۔ ان کی حیثیت ایک طرح کے چیلنج کی ہے۔ کوئی تحریک اگر اس قسم کی صورت حال سے عہدہ بر آ ہو سکے تو یہ اس کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے' اس کے اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے' اس کی رفتار بڑھتی ہے اور اس کے اثر و نفوذ میں اضافہ ہوتا ہے۔ بصورت دیگر کوئی تحریک اس سے صحیح طور سے عہدہ بر آ نہ ہو سکے تو یہ اس کی موت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ ان دونوں نتائج میں جو شے فیصلہ کن ہے اسے ہم صبر اور مصابرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر کسی تحریک کے کارکنوں اور اس کے وابستگان میں صبر اور مصابرت کا مادہ ہے تو اس قسم کے مراحل سے وہ تحریک فائدہ اٹھاتی ہے' اسے فروغ حاصل ہوتا ہے ۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

اور اگر خدانخواستہ صبر اور مصابرت نہ کیا جا سکے اور بودے پن یا کمزوری کا مظاہرہ ہو تو پھر اس کا نتیجہ وہ نکلتا ہے جو اقبال نے کہا ہے...... کہ "ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات"۔ اتفاق سے پرسوں کے درس میں اچانک وہ اشعار میری زبان پر آ گئے تھے جن کا تعلق ۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت سے ہے۔ تحریکِ جماعتِ اسلامی کے لئے وہ ایک کڑا وقت تھا۔ ۵۳ء کی انٹی قادیانی تحریک میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عبدالستار نیازی دونوں کو مارشل لاء کورٹ سے پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی۔ وہ سزا تو اللہ کی تائید سے بعد میں منسوخ ہو گئی تھی لیکن ان دونوں حضرات کو کچھ عرصہ پھانسی کی کال کوٹھری میں بھی رہنا پڑا۔ اُس زمانے میں رئیس امروہوی کا ایک قطعہ روزنامہ جنگ میں شائع ہوا تھا۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اسی واقعہ سے متأثر ہو کر انہوں نے وہ اشعار کہے تھے یا ان اشعار کے ورود کا کوئی اور سبب تھا۔ بہرکیف وہ اشعار نہایت برمحل اور متاثر کن تھے۔ میں نے انہیں "عزم" میں شائع کیا تھا جس کی ادارت اُن دنوں میرے سپرد تھی۔ اُس وقت جمعیت طلبہ لاہور اور پنجاب کی نظامت بھی میرے کاندھوں پر تھی۔ وہ اشعار آپ بھی سن لیجئے۔ ۔

وہ وقت آیا کہ ہم کو قدرت ہماری سعی و عمل کا پھل دے
بتا رہی ہے یہ ظلمتِ شب کہ صبح نزدیک آ رہی ہے
ابھی ہیں کچھ امتحان باقی' فلاکتوں کے نشان باقی
قدم نہ پیچھے ہٹیں کہ قسمت ابھی ہمیں آزما رہی ہے

سیاہیوں سے حزیں نہ ہونا' غموں سے اندوہ گیں نہ ہونا
انہی کے پردے میں زندگی کی نئی سحر جگمگا رہی ہے
رئیسؔ اہلِ نظر سے کہہ دو کہ آزمائش سے جی نہ ہاریں
جسے سمجھتے ہو آزمائش' وہی تو بگڑی بنا رہی ہے

میں نے آخری شعر کو 'رئیس' کی زیر لگا کر شائع کیا تھا اور "رئیسِ اہلِ نظر" سے میرا اشارہ مولانا مودودی مرحوم کی طرف تھا۔ ان دنوں وہ جیل میں تھے۔ میں نے وہ پرچہ بھی انہیں جیل میں بھجوا دیا تھا ___ اِس وقت ان اشعار کا میں اس لئے حوالہ دے رہا ہوں کہ مخالفانہ فضا تحریکوں کے لئے دو بالکل متضاد نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ اگر اس کے چیلنج کو پورے طور پر قبول کیا جائے' صبر و مصابرت کا مظاہرہ ہو تو یہ بادِ مخالف نئی زندگی' نئی توانائی' نیا عزم اور نئی ہمت پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اور اگر استقلال اور ثبات کا فقدان ہو تو ایسی صورت حال میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے جو تحریکوں کی موت کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

صبر، مصابرت، رابطہ اور تقویٰ

میں نے دو لفظ کہے ہیں' صبر اور مصابرت۔ صبر کے ساتھ مصابرت کا اضافہ قرآن مجید کی سورہ آل عمران کی آخری آیت میں ہوا ہے جس کی تلاوت میں نے آغازِ کلام میں کی تھی۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اس میں اہل ایمان کو چار باتوں کا حکم دیا گیا۔ صبر کرو اور مصابرت کرو۔ یہ مصابرت کا لفظ بابِ مفاعلہ سے ہے جس کا خاصّہ ہے کہ اس میں مقابلے کا مفہوم شامل ہو جاتا ہے یعنی صبر کا صبر سے مقابلہ ہو گا۔ ظاہر بات ہے کہ تم میدان میں اکیلے تو نہیں ہو' اگر تم توحید کے علمبردار ہو تو شرک کے علمبردار بھی موجود ہیں۔ تم گردنیں کٹوانے کو تیار ہو تو وہ بھی جانیں دینے کو تیار ہیں۔ چنانچہ صبر کے مقابلے میں بھی ان پر بازی لے جانی ہو گی۔ تیسری ہدایت ہے "رابِطوا" ۔ یعنی جڑے رہو' مربوط رہو' بنیانِ مرصوص بنے رہو اور منظّم رہو اور آخری بات جو ہر حال میں درکار ہے "واتقوا اللہ" ۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ ہر وقت یہ احساس رہے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے' ہم اس کی نگاہ میں ہیں' اس کے حضور میں حاضر ہونا ہے اور جوابدہی کرنی ہے۔ انہی چار ہدایات پر عمل کرنے میں تمہاری فلاح کا راز مضمر ہے۔
صبر کی حقیقت اور اس کی قسمیں میں نے اپنے دروس میں بارہا بیان کی ہیں۔ ذرا ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ ایک ہے "صبر علی الطاعت" اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر

صبر۔ یعنی حکم کی تعمیل کرنی ہے چاہے نفس کو ناگوار ہو اور اس میں تکلیف پہنچتی ہو۔ دوسری قسم کو "صبر عن المعاصی" کا نام دیا گیا ہے یعنی نافرمانی' معصیت اور گناہ سے اپنے آپ کو روک کر رکھنا ہے۔ خواہشاتِ نفس کی لگام کو کھینچ کر رکھنا ہے۔ پھر "صبر علی البلاء" ہے یعنی امتحان' آزمائش اور تکلیف کو برداشت بھی کرنا ہے۔

اپنے فکر کا شعوری جائزہ لیجئے!

آج آپ کو دو اصطلاحات اور بتا دوں جو ہماری اس وقت کی صورت حال کے اعتبار سے زیادہ مناسبت رکھتی ہیں۔ ایک ہے "صبر علی العقیدہ" یعنی عقیدہ اور ایمان پر جمے رہنا اور دوسرا ہے "صبر علی المخالفہ" یعنی مخالفت پر صبر کرنا۔ آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پہلا صبر جو صحابہؓ کو کرنا پڑا وہ ایمان پر تھا۔ ابھی اور اعمال تو تھے ہی نہیں' نہ لمبی چوڑی اطاعت کا معاملہ تھا' نہ شریعت کے احکام آئے تھے اور نہ چیزوں کی حرمت آئی تھی تو اس مرحلے میں ایمان پر جمے رہنا ہی صبر تھا اور اسی کا عکس یہ کہ مخالفت کا مقابلہ بھی صبر سے کیا جائے۔ یہ معاملہ آج ہمیں بھی درپیش ہے۔ ہماری تحریک کا ایک فکر ہے' اس کا ایک صغریٰ کبریٰ ہے' اس کی بنیاد میں دین کا ایک تصور ہے' اس کی اساس فرائضِ دینی کے ایک جامع تصور پر قائم ہے۔ اس پر ذہنی طور پر جمے رہنا سب سے پہلا صبر ہے جو اس وقت درکار ہے۔ جب مخالفانہ فضا میں مخالفانہ ہوائیں چلتی ہیں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی محسوس کرتا ہے کہ وہ شعور کے ساتھ اپنے اس فکر پر قائم نہیں ہے اور اسے اس پر استقامت حاصل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر وہی کیفیت ہوگی "کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے"۔ ایک ریلا اِدھر سے آیا' ایک اُدھر سے۔ ایک بات اِدھر سے آئی دوسری اُدھر سے۔ تو کسی تحریک کے لئے ایسی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سب سے اہم ضرورت یہ ہوتی ہے کہ اس کے وابستگان اپنی فکر کا ازسرِنو جائزہ لیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ناسمجھی میں یا بے شعوری میں اس کی بنیادی فکر کا تانا بانا ہی بکھر جائے۔ میں یقیناً اس امکان کو پیش نظر رکھتا ہوں اور ہر شخص کو رکھنا چاہئے کہ ہو سکتا ہے کہ ہماری فکر میں کوئی غلطی ہو لیکن اس کو انسان شعوری طور پر سمجھے' غیر شعوری طور پر کسی مخالفانہ رو کے اندر بہنا شروع کر دیا جائے تو پھر یہ معاملہ غلط ہے۔ ہاں نظر ثانی کیجئے' تنقیدی نگاہ ڈالئے اور غور و فکر کیجئے۔ اس میں قطعاً کوئی شے بری نہیں۔ تاہم غیر شعوری طور پر مخالفت کی وجہ سے رویہ تبدیل کرنا بوداپن اور کچاپن ہے۔

سیاسی زعماء کی ماضی و مستقبل سے بے خبری

اب میں یہاں اپنے اس فکر کے ضمن میں چند باتوں کا آج پھر اعادہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے یہ اہم نکات آپ کے سامنے رکھوں۔ ہم نے سیاسی اور انقلابی کے درمیان جو مختلف اعتبارات سے فرق و تفاوت سمجھا ہے کہ سیاسی نہج اور انقلابی نہج اور ان کے اہداف میں کیا فرق ہے' ان کے طریق کار میں کیا فرق ہے؟۔ اس سے قطع نظر آج ایک اور بات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں وہ یہ کہ بالعموم جو سیاسی ذہن ہوتا ہے یا جو لوگ اس اکھاڑے میں لنگوٹ کس کر اترے ہوتے ہیں' ان کی سوچ کے بارے میں آپ تین چیزیں نوٹ کریں گے۔ ایک یہ کہ ان کو صرف حال سے دلچسپی رہتی ہے' ان کو نہ ماضی کی فکر ہوتی ہے نہ مستقبل کی۔ اس لئے کہ سیاست کے میدان میں تو صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں' اتار چڑھاؤ رہتا ہے' کوئی ادھر پھدک گیا کوئی ادھر کھسک گیا' یہ جا رہا ہے اس پر ڈورے ڈالے جا رہے ہیں۔ خاص طور پر جو فضاء ہمارے ملک میں سیاست کی ہے' اس میں ناپختگی ہے اور سیاسی عدم بلوغت ہے۔ ساری سوچ مرتکز ہو جاتی ہے حال پر جس میں انسان گم ہو جاتا ہے۔ ماضی سے بھی اس کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور مستقبل کی بھی اس کو زیادہ فکر نہیں رہتی۔ اس کی سوچ بھی سطحی ہوتی ہے عمیق نہیں ہوتی۔ ہمارے سیاست دانوں کو فرصت نہیں کہ حالات اور ان کے اسباب پر غور کریں۔ پنجاب میں اگر یہ کیفیت پیدا ہو رہی ہے تو اس کا سبب کیا ہے؟ سندھ میں اتنی زبردست تحریک ابھری تو اس کے اسباب کیا ہیں؟ ان اسباب میں سے کتنے حقیقی ہیں کتنے مصنوعی' کتنے مثبت ہیں کتنے منفی' کتنوں میں مبالغہ ہو رہا ہے کتنے واقعی ہیں؟ اس پر ان کو توجہ دینے کا موقع نہیں ہوتا۔

علاقائی منافرت شدّت اختیار کر چکی ہے

آپ حضرات میں سے جنہوں نے بھی میری کتاب "استحکام پاکستان" کے دوسرے حصے کا جو مسئلہ سندھ سے متعلق ہے' مطالعہ کیا ہے' ان کو معلوم ہو گا کہ ایک لفظ اس میں بار بار آیا ہے "ردِّ عمل کا پیچ در پیچ سلسلہ"۔ اس ضمن میں ایک بات کا اندیشہ اُس وقت ہمارے سامنے تھا جو اب سامنے آچکا ہے۔ اسی ردعمل کا ایک شدید ردعمل پنجاب میں آچکا ہے اور صورت حال اب یہ ہے کہ پنجاب جو پاکستان' نظریۂ پاکستان اور پاکستان کی سالمیت کا سب سے بڑا علمبردار تھا بلکہ شاید پاکستان اور نظریۂ پاکستان کا "ٹھیکیدار" تھا' آج وہاں جذبات کی

شدت سے مغلوب ہو کر لوگ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ٹوٹتا ہے تو ٹوٹے، ہم کب تک سندھیوں کے ہاتھوں میں کھیلیں گے اور کب تک یہ پارٹی سندھ کارڈ استعمال کرے گی۔ پھر وہ باتیں جو کبھی دبی دبی کہی جاتی تھیں کہ آخر سندھیوں کو کس نے روکا تھا کہ وہ فوج میں شامل نہ ہوں، کس نے روکا تھا کہ وہ آگے نہ بڑھیں اور اپنے خول میں بند رہیں وغیرہ وغیرہ، وہ کیفیات بھی اس وقت پوری شدت کے ساتھ پنجاب میں پیدا ہو رہی ہیں اور اس وقت یہاں کی فضا اس حوالہ سے در حقیقت ہمارے لئے سب سے زیادہ مخالف بن چکی ہے۔ اس موضوع پر میں جن باتوں پر ہمیشہ زور دیتا رہا ہوں، آج چاہتا ہوں کہ پھر اپنے ساتھیوں کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں۔

عالم اسلام میں سرزمینِ پاکستان کی خصوصی اہمیّت

جن حضرات نے "استحکامِ پاکستان" کا مطالعہ کیا ہے انہیں اندازہ ہے کہ میرے نزدیک اسلام کے ماضی اور مستقبل، یعنی اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اور آئندہ اسلام اور امتِ مسلمہ کے مستقبل کے اعتبار سے دو باتیں نہایت اہم ہیں۔

پہلی یہ کہ تجدیدِ دین کا سارا کام الفِ ثانی میں یعنی ہجری کیلنڈر کے حساب سے پہلے ہزار کے بعد جو چار سو سال بیت گئے ہیں، وہ برِّعظیم پاک و ہند ہی میں ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ، انہی کے ساتھ ان کے ہم عصر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، پھر شاہ ولی اللہ دہلویؒ، پھر تحریک شہیدین جیسی عظیم تحریک، پھر چودھویں صدی میں علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مودودی، تبلیغی جماعت، علماءؒ کے طبقہ میں سے چوٹی کی شخصیت حضرت شیخ الہندؒ جن کو میں چودھویں صدی کا سب سے بڑا مجدد سمجھتا ہوں، ان سب کا ظہور حالات کا ایک خاص رخ ہمارے سامنے لا رہے ہیں۔ کوئی نہ کوئی مشیتِ ایزدی ہے جو اس خطہ کے ساتھ وابستہ ہے۔

میں نے انہی دنوں ایک کتاب "زندہ رود" کے نام سے دیکھی ہے جو حیاتِ اقبال سے متعلق ہے اور جسے لکھا ہے ان کے صاحب زادے جاوید اقبال صاحب نے۔ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے ایک بات کہی ہے جس کا ذکر اس کتاب میں ملتا ہے۔ اُس وقت کی فضاء کچھ ایسی بن گئی تھی کہ علامہ اقبال شدت کے ساتھ قائل تھے کہ ہندوستان میں جداگانہ انتخابات لازمی ہیں۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشترکہ انتخابات کا نظام شروع ہوا تو وہ مسلمانوں کے لئے مہلک ہو گا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ قائداعظم بھی اس وقت تک اس معاملہ میں کچھ نرم اور ڈھیلے تھے اور مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی، ایک جناح لیگ کہلاتی تھی دوسری شفیع لیگ۔

علامہ اقبال شفیع لیگ کے ساتھ تھے اور ان کا موقف یہ تھا کہ ہمیں کسی بھی صورت میں مخلوط انتخابات قبول نہیں کرنے چاہئیں۔ "تجاویزِ دہلی" کا ایک فارمولا آیا تھا اس میں کسی درجہ میں مسلم لیگ نے ایک امکان سامنے رکھا تھا کہ اگر ہمارے فلاں فلاں مطالبے مان لئے جائیں تو ہم مخلوط انتخاب تسلیم کر لیں گے۔ اس پر علامہ اقبال نے ایک تصور پیش کیا کہ بقیہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سوچ کا زاویہ مختلف ہے تو بالائی ہندوستان یعنی اب جو علاقہ پاکستان میں شامل ہے، اس علاقے کے مسلمانوں کی ایک علیٰحدہ کانفرنس منعقد کی جائے تاکہ وہ اپنے مسائل کے بارے میں غور کریں اور اپنی پالیسی معین کریں۔ اس ضمن میں ان کا کہنا تھا کہ:۔

> "اس کانفرنس کے طلب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان صوبہ جات کے مسلمانوں کو حالاتِ حاضرہ اور آج کی سیاسی تحریکات سے آگاہ کیا جائے اور ہماری ہمسایہ اقوام اور ہندوستان کی حاکم قوم کی حکمتِ عملی سے واقف کر کے ان خطرات سے آگاہ کیا جائے جن سے ملتِ مرحومہ دوچار ہے۔ اور اس کے بعد مسلمانانِ ہند کی اس کثرت کو جو ان صوبہ جات میں ہے پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان جن کو خدائے علیم و خبیر نے یقیناً بلا مصلحت نہیں بلکہ کسی ایسی مصلحت کے لئے جو اربابِ دانش و بینش پر روز بروز عیاں ہوتی چلی جارہی ہے یک جا کر رکھا ہے، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہونے کا پیغام دیا جائے"۔

علامہ اقبال کا تصوّرِ پاکستان

پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ الٰہ آباد میں علامہ نے جو خطبہ دیا اس میں بھی پاکستان کا ایک تصور پیش کیا تھا اور وہ پاکستان یہی تھا جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔ علامہ اقبال کے سامنے مشرقی پاکستان کا کوئی تصور اُس وقت تک تھا ہی نہیں۔ یہ تو بعد میں جب تحریک شدت کے ساتھ پھیلی ہے اور ایک قومی و ملی جذبہ جاگ گیا تو یہ صورت پیدا ہوئی کہ ۱۹۴۰ء کے ریزولیشن میں شمال مغربی اور شمال مشرقی ہند کا ذکر آیا اور وہاں بھی "ریاستوں" کا لفظ استعمال ہوا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں "سٹیٹس" میں سے "ایس" نکال دیا گیا اور وہ لفظ "سٹیٹ" رہ گیا۔ اور اس میں مزید اضافہ کیجئے کہ درحقیقت یہ وہی خطہ تھا برعظیم پاک و ہند میں جو پہلا "پاکستان" بنا۔ ۷۱۲ء (۹۳ ہجری) میں جب محمد بن قاسمؒ کے ذریعے یہاں اسلام آیا اور ملتان

تک ان کی حکومت قائم ہوئی تو اس وقت ملتان ایک شہر کا نہیں' علاقے کا نام تھا جس میں زیریں پنجاب اور سطحِ مرتفع کو چھوڑ کر ہمارا موجودہ پورا پنجاب آجاتا تھا۔

ہمارے اس چار سو سالہ تجدیدی کام کے بارے میں علامہ اقبال کی رائے بھی یہ ہے کہ خدائے علیم و خبیر و قدیر نے یقیناً یہ تمام کام بلا مصلحت نہیں کرائے بلکہ کچھ ایسی حکمت کے تحت ہوئے جو روز بروز اصحابِ دانش و بینش پر عیاں ہوتی چلی جارہی ہے۔ اس نے اس علاقے کے اندر ایک یکجائی کی صورت پیدا کی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری بات جو میرے فکر کے اعتبار سے اہم تر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر اور حضورؐ کے تمام نوعِ انسانی کے لئے مبعوث ہونے کا منطقی نتیجہ اور "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" کے قرآنی الفاظ میں حضور کے مقصدِ بعثت کا تعین' ان تین چیزوں کا نتیجہ یہ سامنے آتا ہے' اور مجھے الحمد للہ' یقین کی حد تک اس پر اطمینان ہے کہ پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ یہ ہے ہمارا مستقبل۔ یہ مستقبل اگر سامنے نہ ہو اور اس پر یقین نہ ہو تو انسان کے پاؤں میں لغزش آجاتی ہے۔ مجھے فوری کامیابی کی امید تو نہیں ہے لیکن میں مستقبل پر یقین کی بات کر رہا ہوں جو میرے لئے قوت کا اصل سرچشمہ ہے اور اسی میں صبر و استقامت کا بھی بہت سا سامان ہے۔

جدید اسلامی ریاست کے قیام کا امکان صرف پاکستان میں ہے

ماضی اور مستقبل کے ان حقائق کے حوالے سے پاکستان کی بہت اہمیت ہے اور دوسری طرف نظری اعتبار سے بھی یہ حقیقت میرے سامنے آئی کہ آج کے پورے عالم اسلام میں صحیح معنی میں ایک جدید اسلامی ریاست کے قیام کا اگر امکان ہے تو صرف پاکستان میں ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے افغانستان کے بارے میں ہمیں بہت سی اچھی امیدیں ہو گئی تھیں' اب ان میں کچھ کمی آئی ہے۔ وہاں اسلامی حکومت تو قائم ہو سکتی ہے اور اس کی امید نے ابھی دم نہیں توڑا۔ پورے افغانستان میں نہ ہو تو اس کے ایک بڑے حصے پر تو ہو ہی سکتا ہے لیکن وہ جدید اسلامی ریاست نہیں ہوگی۔ افغانستان تمدنی ارتقاء کے اس مرحلے میں نہیں ہے کہ اس دور میں نوعِ انسانی کے لئے ایک نمونہ کی جدید اسلامی ریاست بن سکے۔ وہ ابھی تمدنی ارتقاء کے اعتبار سے بہت پیچھے ہے۔ پاکستان اس اعتبار سے پورے عالم اسلام میں ایک امتیاز رکھتا ہے۔ تعلیم' سائنس اور ٹیکنالوجی میں تین ہی ممالک پوری دنیا میں کسی حیثیت کے حامل ہیں۔ عالم عرب میں مصر اور غیر عربوں میں پاکستان اور ترکی۔

پاکستان کی ولدیت اسلام ہے

اس کے ساتھ ہی وہ میرا پورا فلسفہ ذہن میں لائیے کہ پاکستان وہ واحد ملک ہے جس کی ولدیت اسلام ہے باقی کسی ملک کی ولدیت اسلام نہیں۔ ایک اخبار میں پروفیسر حسنین کاظمی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا اور میں اس کو پڑھ کر حیران رہ گیا۔ اس میں انہوں نے "شہاب نامہ" سے ایک حوالہ دیا ہے کہ صدر ایوب نے ایک موقع پر اپنی کسی خاص ترنگ میں یہ بات کہہ دی کہ اسلام کا معاملہ یہاں سے ہٹانا چاہئے' اسلام ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تو قدرت اللہ شہاب نے جو ان کے سیکرٹری تھے' اس موضوع پر ایک مفصل نوٹ فوراً انہیں بھیجا اور دلائل کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا کہ پاکستان کے لئے اسلامی پس منظر اور اسلامی تشخص کو چھوڑ دینا ممکن نہیں ہے۔ ایسا کرنا پاکستان کی جڑیں کھودنے کے مترادف ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مرحوم صدر ایوب ان کا نوٹ پڑھتے گئے اور ان کا رنگ بدلتا گیا اور آخر کار انہوں نے کہا کہ تم نے ٹھیک کہا ہے اور اس کے بعد انہوں نے اپنی گفتگوؤں میں کئی بار اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا۔ میرے علم میں صدر ایوب کے بارے میں پہلے بھی یہ بات آئی تھی کہ ڈاکٹر رفیع الدین کا فکر بھی جب ان تک پہنچا تو انہوں نے اسے اچھی طرح اپنا یا تھا۔ وہ سائنس اور مذہب کو قریب تر لانے کے خواہشمند تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ آمین

بہرحال یہ دو باتیں ذہن میں رکھئے کہ ماضی کا یہ معاملہ اور مستقبل کے بارے میں الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر' ان دونوں کو میں جوڑتا ہوں تو مجھے اسلام کے مستقبل کے اعتبار سے اس خطے کی مشیت ایزدی میں بڑی حکمت نظر آتی ہے جس کے لئے علامہ اقبال نے بالکل ابتدائی زمانے میں کوشش کی۔ اس کے دور جدید کی ایک اسلامی ریاست بننے کا کوئی امکان اگرچہ اس وقت ہمیں نظر نہیں آرہا "کہ دامانِ خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے" لیکن اگر کوئی امکان ہے تو یہیں ہے۔

مرہٹہ قوت مسلمانانِ برصغیر کے لیے ایک چیلنج

دوسری اور اضافی بات یہ ہے کہ احیائے اسلام کی ضرورت بھی روئے ارضی کے اسی حصے کو ہے جس کا واسطہ ہندو سے پڑا ہے۔ ہندوستان میں جو کٹر ہندو ذہنیت ہے وہ نہ پاکستان کو تسلیم کرتی ہے نہ مسلمان کے وجود کو گوارا کرنے کو تیار ہے۔ ان کا یہ اعلان کردہ ہدف ہے کہ افغانستان' پاکستان' بھارت اور بنگلہ دیش سے اسلام کو

ختم کر دو۔ وہ ان سب علاقوں کو یاد کرتے ہیں جن میں کسی بھی زمانے میں ان کی حکومت رہی۔ صرف پاکستان پر ہی نہیں افغانستان پر بھی ان کا کلیم ہے۔ دریائے آمو تک جو سرحد بنتا ہے افغانستان اور روس کے درمیان۔ یہ طوفان کم از کم دو مرتبہ تاریخ میں جس طرح اٹھا ہے' وہ انتہائی بھیانک تھا۔ اب اگر انسان کی ماضی پر نگاہ ہو تو اس کو بھولنا نہیں چاہئے۔ شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر دکن میں پچیس برس تک مرہٹوں کے ساتھ لڑنے میں مصروف رہے' ایک دن کے لئے بھی دارالخلافہ نہیں آئے۔

میرے نزدیک حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے تجدیدی کارناموں کا سب سے بڑا مظہر اورنگ زیب تھے۔ اس مغلیہ خاندان میں جس میں اکبر ہوتا تھا، جس میں جہانگیر ہوتے تھے، جو شراب کے ایک پیالہ کے عوض حکومت دے بیٹھتے تھے، عالمگیر جیسی شخصیت دراصل نتیجہ تھی حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے تجدیدی کام کا۔ اس نے ایک طرف ہمہ اوستی تصوّرات کو ختم کیا اپنے بڑے بھائی دارا شکوہ کو ختم کر کے۔ حقیقت یہ ہے کہ دارا شکوہ تصوّف کی آڑ میں وہی کام کر رہا تھا جو اکبر نے کئے تھے، دینِ الٰہی کا ایک ملغوبہ تیار کیا جا رہا تھا تاکہ اسلام کا تشخص ختم کیا جا سکے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے نہ صرف یہ کہ تصوّف کے راستے اسلام پر حملہ روکا بلکہ دوسری طرف اس عسکری قوت کی کمر بھی توڑی جو مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کے لیے ابھر رہی تھی۔ دکن میں وہ مرہٹوں کی اسی قوت سے ربع صدی تک برسرِ پیکار رہا اور اسے کچل کر خود بھی وہیں دفن ہوا۔

ایک ہی سو برس کے بعد وہ قوت پھر ابھری۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں جرمنی کی طرح کی مردم خیزی ہے۔ ایک صدی میں وہ قوم دو مرتبہ برباد ہو کر پھر اٹھ کھڑی ہوئی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ یہ مہاراشٹرا کا علاقہ ہے۔ یہیں سے شیواجی ابھرا تھا' یہیں سے مرہٹے دوبارہ اٹھے اور پورے ہندوستان پر چھا گئے۔ دلی کے لال قلعہ میں بیٹھے ہمارے مغل بادشاہوں کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ ایسے میں ایک مردِ درویش حالات کا مشاہدہ اور مستقبل کا نظارہ کر رہا تھا۔ وہ علمی اور تجدیدی کام کرنے والی شخصیت تھی جس نے نہ کوئی تحریک اٹھائی نہ کبھی شمشیر و سناں ہاتھ میں لی اور نہ کسی محلاتی جوڑ توڑ میں شرکت کی۔ دیکھئے تجدیدِ دین کے ساتھ سیاسی اور عسکری حکمتِ عملی یوں جڑ جایا کرتی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے احمد شاہ ابدالی کو لکھا کہ اب اس اٹھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے کو ہندوستان میں کوئی طاقت موجود نہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو بچانا ہے تو ادھر کا رخ کرو۔ احمد شاہ ابدالی آتا ہے اور سو برس بعد بلکہ اس سے بھی کم مدت میں مرہٹوں کی قوت پھر توڑی جاتی ہے۔ اس کے دو سو برس کے بعد جس میں انگریزوں

کی حکومت کے سو برس بھی شامل ہیں جب ہندو مسلم دونوں دب گئے تھے' ایک بار پھر ہندوؤں کو بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ تعلیمی اعتبار سے' معاشی و سیاسی اعتبار سے' ووٹوں اور گنتی کے اعتبار سے' ملازمتوں کے اعتبار سے وہ آگے بڑھ گئے۔ لیکن بہرحال اس طرح کی کوئی عسکری تحریک مسلمانوں کے خلاف اس دور میں اٹھنی ممکن نہیں تھی۔ تاہم ہندو کا جذبہ اندر ہی اندر لاوے کی طرح کھولتا رہا۔ اب پچھلے چونسٹھ (۶۴) برس سے وہاں ایک تحریک موجود ہے' آر ایس ایس نام کی جو ہندوستان میں مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کے جذبے کے ساتھ وہاں سے ابھر رہی ہے۔ گویا معاملہ پھر کچھ اسی نوع کا ہے جس کا نقشہ اقبال نے ان الفاظ میں کھینچا تھا۔

از خاکِ سمرقندے' ترسم کہ دگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے' ہنگامہء چنگیزے

یہ ہیں وہ حالات جن کے اعتبار سے میرے نزدیک پاکستان کی سالمیت کا معاملہ صرف پاکستان کے لئے نہیں بلکہ اس پورے علاقہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لئے نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ میری سوچ کا وہ دوسرا رخ ہے جس کے بارے میں بعض ساتھیوں کو بدگمانی رہتی ہے کہ میں کسی وہم کا شکار ہوں۔ کوئی مجھے ''ایکس پلائٹ'' کر رہا ہے' اسلام کے نام پر' سندھ کے نام پر۔

عدمِ استحکام کا اصل سبب

میری سوچ کا تیسرا رخ وہ ہے جس پر رمضان المبارک کے بعد کئی خطباتِ جمعہ میں روشنی ڈالی گئی۔ یہ کہ احتجاجی' مطالباتی اور مظاہراتی سیاست میں کہاں کہاں کامیابی ہوئی' کہاں ناکامی ہوئی۔ یہ پوری ایک تاریخ ہے جو میں نے اس حوالے سے مرتب کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کے عدم استحکام کا سب سے بڑا سبب یہاں سیاست کے میدان میں اسلام کا نعرہ لگانا ہے' کھوکھلا اور خالی نعرہ۔ اسلام جیسا کچھ ہمارے ہاں ہے سب کو معلوم ہے' عوام کا بھی اس سے جو تعلق ہے وہ سب جانتے ہیں۔ اس کے جو تجزیئے مولانا مودودی نے کئے تھے وہ ''تحریک جماعت اسلامی'' میں دیکھ لیجئے۔ اصلاحی صاحب نے کہا تھا کہ سانپوں کی اقسام گنی جا سکتی ہیں' مسلمان کی قسمیں نہیں گنی جا سکتیں حالانکہ مسلمان تو ہوتا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کا پابند۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام —

کا پابند مسلمان تو اب چراغِ رُخِ زیبا لے کر ڈھونڈنا پڑتا ہے' لیکن سیاست کے میدان میں یہاں اسلام کا نام خوب چلتا ہے۔ اسلام کا کھوکھلا نعرہ لگانے میں کوئی کسی سے پیچھے نہیں۔ پاکستان کے عدم استحکام کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ یہ میری پختہ سوچ ہے اب میں ساٹھ کے پیٹے میں ہوں آپ کو میری اس سوچ کے بارے میں غور کرنا چاہئے۔ غلط معلوم ہو تو مجھے سمجھایئے اور اگر میں اڑا رہوں تو مجھے میرے حال پہ چھوڑ جایئے۔ نیمے دروں نیمے بروں ساتھ چلنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ریلے تو آتے رہیں گے' ایک آیا اور آپ بہہ گئے تو دوسرا بھی آسکتا ہے۔ میرا تجزیہ بہرحال یہ ہے جو میری تقاریر اور کتابوں میں آپ کے سامنے آتا رہا ہے۔

ہمارا معاشرہ سیکولر ہے

اگر آپ پورے بیالیس سال کی تاریخ کا جائزہ لیں گے اور اس قوم کے احساسات' اس کی فکر اور سوچ' اس کی اقدار' اس کے رہن سہن' اس کی زندگی کے معاملات کا مشاہدہ کریں گے تو معلوم ہو گا کہ سب کچھ خالص دنیاداری کے گرد گھومتا ہے اور دنیاداری ہی سیکولرازم ہے۔ سیکولرازم میں مذہب کی نفی نہیں ہوتی' مذہب کو زندگی کے ایک حصے میں محدود کر دیا جاتا ہے۔ سیکولرازم کے معنی مذہب کی مخالفت نہیں نہ مذہب کی نفی ہے بلکہ اس میں مذہب کو آپ کے عقائد' آپ کی عبادات' آپ کے شادی بیاہ' وراثت وغیرہ کے قوانین جنہیں پرسنل لاء کہتے ہیں اور فوتیدگی و پیدائش وغیرہ کی رسومات تک محدود کر دیا جاتا ہے۔ باقی جو اصل زندگی ہے' کاروبار ہے' سیاست ہے' معاشرت ہے' معیشت ہے' اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اپنی زندگی کا ہر شخص جائزہ لے لے۔ کیا ہم میں سے ایک ایک شخص کا تعلق مذہب کے ساتھ محض عقائد' عبادات و رسومات تک محدود نہیں ہے! رہا ہمارا معاش' ہمارا رہن سہن' ہمارا تمدن اور شب و روز کی زندگی کا پورا نقشہ تو اس پر اقبالؔ کا یہ شعر ہی کافی ہے کہ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اسلام کا کھوکھلا نعرہ مارشل لاء کی راہ ہموار کرتا ہے

لیکن اسلام کا نعرہ لگا کر اور جذباتی ہنگامے کھڑے کر کے ملک کی اس گاڑی کو پٹڑی پر چلنے نہیں

دیا گیا۔ سب سے پہلے ۵۳ء کی ختم نبوت تحریک نے اس کو پٹڑی سے اتارا' اس کے بعد جب ذرا استحکام کے آثار پیدا ہوئے کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس ہنگامہ آرائی کی سیاست کو مارشل لاء والوں نے استعمال کیا اور خوب استعمال کیا۔ فوج کو اور کیا چاہئے۔ حکومت کرنا کسے پسند نہیں اور نظام حکومت درہم برہم ہو جائے تو فوج کو دلیل ہاتھ آجاتی ہے۔ صدر ایوب نے محض اسی دلیل پر اپنی حکومت کی بساط بچھائی اور صرف چند سال پکا مارشل لاء رکھ کر انہوں نے نیم سیاسی نظام حکومت بہت جلد بحال کر دیا۔ لیکن ضیاء الحق صاحب نے اس دلیل کے ساتھ ساتھ اسلام کا نعرہ بھی اپنا لیا۔ وہی نعرہ جو پہلے مخالف قوتوں کے پاس ہوتا تھا جب سرکاری سرپرستی میں آگیا تو گیارہ سال جو مزے اڑائے گئے وہ آپ کے سامنے ہیں۔ لیکن یہ حکمت عملی ملک کے لئے تباہ کن ہے۔ میں خود جمہوریت کے میدان کا آدمی نہیں' بحالیء جمہوریت کی تحریک میں میں شامل نہیں ہوا' کسی انتخابی معرکہ میں شامل ہونے کا سوچا بھی نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہاں پر جمہوریت آنی چاہئے اور اگر جمہوریت نہ ہوگی تو ملک کے مزید حصے بخرے ہونے کے امکانات شدید تر ہو جائیں گے۔ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ ۱۹۸۰ء سے میں یہ بات ضیاء الحق صاحب سے کہہ رہا ہوں۔

ہمارا موقف: جمہوریت کی تائید اور انقلاب کے لیے محنت

———— میرا موقف اور طریقہ کار کیا ہے؟ دو جملوں میں عرض کر رہا ہوں۔ تائید جمہوریت کی اور محنت انقلاب کے لئے۔ اپنی توانائیاں' اپنی قوتیں' اپنی صلاحیتیں اسی میں کھپائیں۔ مولانا مودودی کے ساتھ اپنے اختلاف کو بھی دو جملوں میں بیان کر چکا ہوں۔ پاکستان بننے کے بعد انہوں نے دو کام کئے' ایک صدفی صد صحیح اور دوسرا صدفی صد غلط۔ مطالبہء دستورِ اسلامی کی مہم چلائی جس کا قرار دادِ مقاصد میں بہرحال حصہ ہے' یہ بہت درست کام ہوا۔ انتخابات میں حصہ لیا' یہ صدفی صد غلط۔

اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے دو کام کئے۔ ایک جمہوریت کی تائید اور آمریت کی نفی' دوسرا بحالیء جمہوریت کی مہم میں خود اپنی پوری جماعت کو لے کر کود پڑنا۔ دوسرا حصہ غلط تھا' تائید والا پہلا حصہ درست۔ آمریت کی مخالفت اور جمہوریت کی تائید ہونی چاہئے تھی لیکن خود آپ نے انقلاب کے لئے جو ایک گھروندہ بنایا تھا' کچھ لوگ جمع کئے تھے' ان کی تربیت ہوئی تھی اور ان کو منظم کیا گیا تھا۔ اس قافلے کو اسی رخ پر بڑھتے رہنا چاہئے تھا۔ تائید ضرور کی -

جاتی جمہوریت کی اس لئے کہ ملک کی سالمیت کا معاملہ جمہوریت کے ساتھ وابستہ ہے' لیکن خود بحالیء جمہوریت کی تحریک میں پڑ کر حاصل کیا ہوا! ۔ جمہوریت جب بھی آئی' خالص سیکولر ہی آئی اس لئے کہ قوم سیکولر ہے۔ اپنی سوچ میں 'اپنے اخلاق میں 'اپنے معاملات میں اور اپنی اقدار میں سیکولر ہے۔ چنانچہ جب بھی جمہوریت آئے گی' سیکولر ہی آئے گی۔

پاکستان کے ساتھ تنظیم اسلامی کے اور میرے رویّے کے یہ عناصر ترکیبی ہیں جن کے حوالے سے موجودہ سیاسی فضا میں آپ کو بھی سوالات سے سابقہ پڑتا ہے اور میرا بھی ہر روز ایک نئی صورت حال سے سامنا ہے۔ اپنے فکر کی یہ بنیادیں آپ پر واضح ہوں تو آپ اپنی جگہ جازم اور مستقیم رہیں گے اور سوالات کے شافی جواب دے سکیں گے لیکن یہی موقف آپ پر واضح نہیں یا اس پر دل ٹھکتا نہیں اور اس کے لئے شعوری مواد آپ کے پاس موجود نہیں تو آپ مخالف کے اعتراضات کا جواب نہیں دے پائینگے' ہزیمت ہوگی جس کا نتیجہ بددلی ہوگا۔ یہ بددلی پھر آپ تنظیم میں پھیلائیں گے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ آزمائش کے اس دور کے دو طرح کے نتیجے نکل سکتے ہیں۔ یا تو تحریک کو ایک ابھار ملتا ہے یا وہ دم توڑ دیتی ہے۔ جس بددلی کا میں نے ذکر کیا' اس کا منطقی نتیجہ تحریک کی موت ہے۔

مذہبی جذبات بھڑکانا مناسب نہیں

جو موقف میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے' اس میں تین چیزیں موجودہ حالات میں ہمارے طرز عمل کی بنیاد ہیں۔ ایک یہ کہ ہمیں ہر حال میں جمہوریت کی تائید کرنی ہے۔ ویسے تو حالات الحمدللہ ایسے نظر آ رہے ہیں کہ جلد کسی مارشل لاء کی نوبت آنے کا اندیشہ کم ہے تاہم ہمیں اپنی گفتگوؤں سے اور اپنے وسائل کے ذریعہ اس فکر کو عام کرنا ہے کہ مارشل لاء یہاں کسی صورت میں نہیں آنا چاہئے۔ وہ مہلک ہے اس ملک کے لئے۔ جو تبدیلی آئے وہ دستور کے دائرے کے اندر اندر ہو۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ معاشرے کی عام سطح کے مطابق یہاں سیاست میں سب کچھ ہوگا۔ ممبروں کی خرید و فروخت بھی ہوگی کیونکہ دولت کے انبار دونوں طرف ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ایک توازن سا بھی قائم نظر آتا ہے۔ دستور میں بھی کوئی ترمیم ضروری سمجھی جائے تو اسی طریقہ کار سے ہو جو خود دستور میں طے کر دیا گیا ہے۔ ہماری سیاست کی گاڑی دستور کی پٹڑی پر چڑھی رہنی چاہئے۔ اس سلسلے میں ہم اخلاقی دباؤ جتنا بھی ڈال سکتے ہیں' ڈالنا چاہئے۔ یہ ملحوظ رہے کہ افراد کی فکر بھی ایک اخلاقی قوت ہوتی ہے جو اگر ان

میں راسخ ہو تو معاشرے میں یہ فکر نفوذ کر جاتی ہے' خود بخود پھیلتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ مذہبی جذبات کو بھڑکا کر' بالکل انمل بے جوڑ متحدہ محاذ بنا کر اور غیر تربیت یافتہ عوام کو میدان میں لا کر ہنگامہ کرنا ملک کے لئے مہلک ہے۔ میں نے تین الفاظ بہت ہی سوچ سمجھ کر کہے ہیں' کسی مذہبی مسئلہ پر مذہبی جذبات بھڑکا کر' پھر ایک جماعت یا ایک قیادت کے تحت نہیں بلکہ انمل بے جوڑ متحدہ محاذ بنا کر جبکہ نظریہ ایک نہیں' فکر ایک نہیں' ایک دوسرے پر کفر کے فتوے ہوں بلکہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کے بھی روادار نہ ہوں' لیکن کسی ایک مسئلہ پر جذبات بھڑکا دیئے جائیں اور جمع ہو جائیں اور پھر غیر تربیت یافتہ افراد کو میدان میں لا کر ہنگامہ کھڑا کر دینا۔ ہم کبھی اور کسی صورت اس طرز عمل کی تائید نہیں کریں گے چاہے ہماری مخالفت میں فضاء کتنی ہی خراب کیوں نہ ہو جائے' چاہے ہمارے گھروں پر حملے شروع ہو جائیں اور ہمیں کسی کا ایجنٹ کہا جائے لیکن ہمیں اس رخ پر نہیں جانا ہے' اس کی نفی کرنی ہے' اس کی تردید کرنی ہے۔

انقلابی نہج پر جدّوجہد کو تیز کرنا ہوگا

اور تیسری بات یہ کہ ہمیں اپنی اصل محنت اور مساعی کو انقلابی نہج پر مرتکز رکھنا ہے اور اس میں تیزی اختیار کرنی ہے۔ اس لئے کہ جب تک وہ تیزی نہیں آئے گی' کوئی حرکت پیدا نہ ہو سکے گی۔

ہمیں نظر آ رہا ہے کہ عالمی سطح پر جو کچھ ہو رہا ہے اور خود اپنے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس ملک کے ٹکڑے کر کے چھوڑے گا۔ لوگ اس پر تلے ہوئے ہیں۔ کچھ برملا کہتے ہیں کہ ٹکڑے کر دیں گے اور کچھ کا طرز عمل یہ ہے کہ ہوتا ہے تو ہو جائے۔ تنگ آمد بجنگ آمد۔ صورت حال کے بارے میں میرے اس پورے تجزیئے سے آپ کو اتفاق ہے تو آپ کو اپنی جدوجہد تیز کرنی ہوگی۔ مثبت کام کئے بغیر کسی طرز عمل کو غلط کہتے رہنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میرا ذہن آج ان اشعار کی طرف منتقل ہو رہا ہے' جو کبھی میں نے "عزم" میں شائع کئے تھے۔ ان اشعار میں ایک پیغام تھا۔ ان میں سے چند آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

ساتھیو مشعلوں کو تیز کرو
جنگ بازوں کا ملک گیروں کا
قافلہ تیز گام ہے کتنا
اور بھی قافلوں کو تیز کرو

دو اعتراضات

ہمارے اس موقف پر دو اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ جمہوریت تو پھر لا دینی آئے گی اور آ رہی ہے۔ یہ منطقی نتیجہ ہے اور میں کہہ چکا ہوں کہ جیسی قوم ہو گی ویسی ہی جمہوریت آئے گی۔ اسے ہمیں ذہناً قبول کرنا ہے کیونکہ اسی معاملے کو اشکال بنا کر لوگ آپ کو چھیڑیں گے۔ پھر یہ کہ اس کے ساتھ اباحیت بھی آئے گی، بے پردگی اور فحاشی بھی آئے گی۔ اس لئے کہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں جمہوریت ہے بدقسمتی سے یہ وہ لوگ ہیں جن کے نظریات و خیالات، طرز زندگی، رہن سہن اور مغربیت پرستی اظہر من الشمس ہے۔ قوم کی تقدیر ان کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔ جمہوریت کے علمبردار اور پرستار کسی زمانے میں کچھ اور لوگ ہوا کرتے تھے لیکن اب جو لوگ جمہوریت کا علم بلند کرتے ہیں، ان کا حال کس سے پوشیدہ ہے۔ مغربیت اور اباحیت دونوں متحارب گروہوں میں یکساں ہے جس کے خلاف ہمیں اپنی تحریک کو تیز کرنا ہے۔ یہ نہی عن المنکر باللسان کی تحریک ہے، بالقوت نہیں، اس لئے کہ ہمارے پاس ابھی مطلوبہ قوت موجود ہی نہیں۔ اس طاقت کو تو ابھی فراہم کرنا ہے۔ فی الحال تو احتجاج کیا جائے گا مظاہروں کی شکل میں، کارنر میٹنگ کی شکل میں، تاکہ یہ بات سامنے آ جائے کہ ہم ان چیزوں کے خلاف ہیں۔

پُر امن احتجاجی مظاہرے کثرت سے کیے جائیں

تاہم ہم اس سلسلے میں کوئی بدامنی پیدا کر دینے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ ایسا کرنا اس ملک کی سالمیت اور استحکام کے لئے خطرناک ہو گا۔ یہ بات اگر ہم صرف زبان سے کہیں گے تو اس کا اثر نہیں ہو گا لیکن اگر ہمارے مظاہروں کا اور کارنر میٹنگز کا سلسلہ جاری رہے، جو پچھلے دنوں لاہور میں سلسلہ شروع بھی ہوا تھا تو میں سمجھتا ہوں کہ بالخصوص بڑے شہروں میں یہ کام کرنے کا بڑا ہی مناسب موقع ہے۔ لوگوں سے کہا جائے کہ یہ سب ہمارے ہی کرتوت اور ہمارے ہی اعمال ہیں۔ جو آج ہم پر مسلط نظر آتے ہیں۔ ہم نے مغربی تہذیب کو اختیار کیا، ہمارے گھروں میں مغربی تہذیب رائج ہے اور یہ سب کچھ اس کا منطقی نتیجہ ہے کہ آج ایک عورت ہم پر حکمران ہے۔ عورت کا جن ہم نے بوتل سے نکالا ہے، ہم اسے گھروں سے باہر لائے ہیں۔ جب تک کہ ہم اپنے طرز عمل میں تبدیلی نہیں لائیں گے اور دین کی طرف حقیقتاً اور عملاً نہیں پلٹیں گے، ایک سے بڑھ کر ایک لعنت ہمارے سروں پر مسلط ہو گی۔ حضورؐ نے تو فرمایا تھا کہ میں نے اپنی امت کے لئے عورت سے بڑھ کر

کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔ وہ فتنہ ء خواتین اس وقت سامنے ہے لیکن کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ وہ اس میں موردِ الزام نہیں بنتا' اُس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

شر میں خیر کا ایک پہلو

ایک تو یہ کام ہمیں کرنا ہے کہ نہی عن المنکر کے ضمن میں جو ہماری احتجاجی تحریک ہے اس کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھائیں۔ دوسرے ایک حقیقت کو سامنے رکھئے کہ ہر شر میں ایک خیر ہوتا ہے۔ شرِ محض کا کوئی وجود نہیں ہے۔ میں نے بارہا عرض کیا ہے کہ نہ باطلِ محض کا کوئی وجود ہے' نہ شرِ محض کا۔ ہوتا یہ ہے کہ کسی بات میں شر کا پہلو غالب ہے تو کسی میں خیر کا۔ جیسے فرمایا گیا شراب اور جوئے کے بارے میں۔ یہ نہیں کہا کہ ان میں فائدے کا کوئی پہلو ہے ہی نہیں بلکہ فرمایا گیا کہ ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے اور پوری شریعت میں یہی حکمت کارفرما ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سیکولر جمہوریت کا کھُل کر سامنے آنا' اباحیت کا فروغ اور مغربی تہذیب کا اپنی سب قباحتوں کے ساتھ بے حجاب ہو جانا بھی خیر کا ایک پہلو رکھتا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں دین کی غیرت اور شریعت کی حمیت موجود تو ہے لیکن دبی ہوئی چنگاری کی مانند ہے' وہ اب بھڑکے گی۔ منافقانہ اسلام ان جذبات کو دباتا اور تھپکی دے کر سلاتا ہے۔ ٹیلی ویژن پر راگ رنگ اور ڈراموں میں بے حجابی و عریانی کے ساتھ اذان اور مذہبی پروگرام بھی چلتے رہیں، سیرت کانفرنسیں بھی ہوں اور عورتوں کو گھروں سے نکال کر اسمبلیوں اور وزارتوں میں ان کا حصہ بڑھایا بھی جا رہا ہو تو یہ جذباتِ غیرت و حمیت ابھرتے نہیں۔ نیمے دروں نیمے بروں کی کیفیت لوگوں کو کشمکش و پیچ میں مبتلا کئے رکھتی ہے۔ ہمارے ملک میں یہی کچھ ہوتا رہا۔ ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

اب جمہوریت آئی ہے اور اپنے منطقی تقاضے کے مطابق سیکولر آئی ہے تو اس میں وہ پہلی سی لیپاپوتی نہیں رہی۔ یہ بات سب لوگوں کو جمہوریت کی آرزو اور اس کے لئے جدوجہد کرنے سے پہلے ہی سوچ لینی چاہئے تھی۔ اگر اس ملک کی سالمیت کے لئے جمہوریت لازمی ہے تو موجودہ صورتحال کے مقابلے کا پروگرام بھی بنایا جانا چاہئے تھا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگر جمہوریت یہاں مستحکم ہو گئی تو اسلام کا راستہ رک جائے گا۔

یہ بات پہلے بھی کہی جاتی تھی اور اس کے جواب میں مولانا مودودی مرحوم کا یہ جملہ ریکارڈ پر ہے کہ یہ جو سیاسی شیاطین آپس میں لڑ رہے ہیں' اسی لڑائی کے شر میں سے ہمارے لئے خیر کا راستہ نکلے گا اور جتنے یہ آپس میں زیادہ لڑیں گے' اتنا ہی ہمارے لئے امکان ہو گا کہ یہاں پر کوئی اچھی تبدیلی برپا ہو سکے۔ میرے نزدیک اس خیال کے پیچھے ایک پورا فلسفہ ہے۔

جماعت اسلامی کے حلقوں میں اور دیگر مذہبی اور دینی جماعتوں میں یہ بات عام طور سے زبانوں پر آتی ہے کہ اگر ہم یہاں اسلام نہیں لا سکے تو کسی اور نظریئے یا نظام کو بھی تو ہم نے قدم جمانے نہیں دیئے۔ یہ طرز فکر بہت خطرناک ہے۔ میری رائے میں ہمارے ملک میں عدمِ استحکام کا ایک بڑا سبب یہی طرز فکر ہے۔

کوئی مستحکم جمہوریت بھی انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتی

انقلاب کے بارے میں میری رائے اچھی طرح سمجھ لیجئے' کوئی مستحکم سے مستحکم جمہوریت بھی انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتی۔ انقلاب کا راستہ تو بادشاہتیں نہیں روک سکیں' زارِ روس کی فوجیں اور شہنشاہِ ایران کا اسلحہ خانہ انقلاب کا راستہ نہیں روک سکے۔ انقلاب کی کچھ اپنی شرائط ہوتی ہیں' اس کے کچھ مطالبات ہوتے ہیں' آپ وہ پورے کر دیجئے پھر کوئی طاقت انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتی۔

مغربی طرز کی جمہوریت میں بھی جو تماشا لوگوں کو نظر آتا ہے وہ کچھ اور ہوتا ہے اور پس منظر میں کچھ اور ہوتا ہے۔ سامنے تو یہ الیکشن لڑتے ہوئے مہرے آپ کو نظر آتے ہیں' ان کے پیچھے لابیاں کام کرتی ہیں۔ جس طرح میں نظری سیاست اور عملی سیاست کی اصطلاح استعمال کرتا ہوں اسی طرح آج ایک اور اصطلاح سن لیجئے کہ ایک ہے براہ راست سیاست' ایک ہے بالواسطہ سیاست۔ امریکہ میں بھی لابیاں بنی ہوئی ہیں' جن پر کروڑوں اربوں ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔ یہ لابیاں بالواسطہ طور پر سیاست پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ بظاہر کچھ کٹھ پتلیوں اور نمائندوں کا کھیل ہو رہا ہوتا ہے۔ جن کو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ "اعضائے مجلس کی گرمی الاماں" لیکن پیچھے طاقتور لابیاں کارفرما ہوتی ہیں جو خود کبھی سامنے نہیں آتیں۔

جمہوری نظام میں پریشر گروپس مؤثر ہوتے ہیں

جمہوری نظام میں دوسری اہم کارفرما قوت پریشر گروپس ہوتے ہیں' جو معاملات کو اپنی

مرضی کا رخ دیتے ہیں۔ پھر جمہوری نظام ہمیں پر امن احتجاج' مظاہرے اور ایجی ٹیشن کا حق دیتا ہے۔ جمہوریت صرف انتخابات کا نام نہیں ہے' آپ پر امن مظاہرے اور ایجی ٹیشن کے ذریعے بھی اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا! یہ تمام راستے ایسے ہیں جن کے ذریعے جمہوریت کے اندر بھی اسلام کے لئے کام کیا جا سکتا ہے اور مسلسل جاری رکھا جا سکتا ہے۔ یہ کام ہمیں کرنے ہیں' اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے ہمت دے' اپنے اس فکر پر استقامت اور انشراح عطا کئے رکھے۔ ہمیں زیادہ آگے جانے کی اور جان و مال کھپانے کی توفیق دے' ہمیں اس رُخ پر چلنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اصل توجہ اپنی تنظیم اور تربیت پر مرتکز کرتے ہوئے اپنی صفوں کو ترتیب دینا ہے اور اپنے کاڈرز بنانے ہیں تاکہ ایک وقت آئے کہ ہم پھر میدان میں آکر کہہ سکیں کہ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ فلاں غلط کام یہاں نہیں ہو گا یا ہم نہیں ہوں گے۔

ہدایات و تجاویز

اب کچھ ہدایات اور تجاویز ہیں جنہیں پلّے باندھ لیجئے۔ پہلی بات اپنے فکر پر صبر۔ اس کے لئے میں درخواست کرتا ہوں' ہدایت دیتا ہوں' حکم دیتا ہوں' جس لفظ سے بھی آپ کے اندر تھوڑی سی حرکت پیدا ہو جائے۔ ہر رفیق تنظیم کے لئے لازم ہے کہ وہ (۱) "تحریک جماعت اسلامی" (۲) "اسلام اور پاکستان" (۳) "سرافگندیم" (۴) "استحکام پاکستان" (۵) "استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ" اور (۶) "منہج انقلاب نبوی" کا مطالعہ ضرور کرے۔ پہلے پڑھ چکا ہو تو پھر پڑھے۔ پھر دیکھے کہ اس وقت کے حالات کے بارے میں کیا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس تجزیئے کے وزن اور توازن کو محسوس کیجئے' اس کا ادراک حاصل کیجئے! میں نے سندھ کے مسئلے کا بھرپور تجزیہ کیا ہے' اہل سندھ کے جائز مطالبات کی پُرزور تائید بھی کی ہے۔ اسی طرح میں نے پنجاب کا دفاع بھی کیا ہے۔ اگر ہوشیار پور اور جالندھر کے لوگوں کو اللہ نے صلاحیت دی ہے' انہوں نے پنجاب کی زمینوں کو آباد کیا' بہاولپور کی زمینوں کو آباد کیا' اس سے آگے سندھ کی زمینوں کو آباد کیا تو کوئی جرم نہیں کیا۔ البتہ پھر اس میں جو زیادتیاں ہوئیں' جو داد و دہش کی گئی' سندھ کی زمینیں جرنیلوں اور سرکاری افسروں میں تقسیم کی گئیں' حلوائی کی دوکان پر نانا جی کی فاتحہ شروع ہو گئی' اصل خرابی یہ ہے۔ اگر اس کی اصلاح نہ ہوئی' اس کی تلافی نہ کی گئی تو پھر ایک ایک پنجابی کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی سندھ میں۔ جو بات جائز ہے اسے تسلیم کرنا چاہئے اور جذبات کو ایک طرف رکھتے ہوئے ہر فریق کے مسئلے اور

شکایت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مگر اس وقت جذبات میں ابال ہے' لوگ بخار کی سی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ اس وقت تو شاید ہمیں یہ کہا جائے کہ پنجاب کے غدار اور سندھ کے ایجنٹ ہیں۔ یہ سارے امکانات ہیں' ان کے لئے ذہناً تیار رہنا چاہئے۔ میں تو تیار ہوں' آپ کو بھی تیار رہنا ہے۔ بہرحال یہ سب باتیں آپ پڑھیں گے تو بات سمجھ میں آئے گی۔

دوسری ہدایت یہ ہے کہ دعوت کے لئے کمر کس لیں یہ تو ہمارے کرنے کا کام ہے ہی۔ یہ سنہری موقع ہے۔ جب اس قسم کی فضا ہوتی ہے تو موقع ملتا ہے' سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ لوگ آپ سے الجھیں گے آپ ان سے بات کریں گے جواب دیں گے' لیکن پہلے اپنا گھر مضبوط ہو تو جواب دیں گے۔ آپ کے پاس دلائل ہوں' تجزیہ ہو' آپ اس سے واقف ہوں تو جواب دے سکیں گے۔ ورنہ خالی خولی آپ ٹکرائیں گے تو اس کا ایک ردعمل آپ کی طبیعت پر بھی ہو گا اور آپ تنظیم کے اندر بد دلی پھیلائیں گے۔

طویل سیاسی جنگ کا سامنا ہے

موجودہ سیاسی صورت حال میں دو چیزیں اچھی نظر آ رہی ہیں' مایوس کن پہلو تو اتنے ہیں کہ جتنے چاہے بیان کروں۔ امید کی کوئی کرن کبھی نظر آئے تو اس کو بڑی مضبوطی سے تھام لینا چاہئے۔ وہ جو عام طور پر سوچا جا رہا تھا کہ ایک ہی ہلے میں پیپلز پارٹی آئی جے آئی کو ختم کر دے گی یا آئی جے آئی پیپلز پارٹی کو ختم کر دے گا' یہ ہونے والی بات نہیں ہے۔ سیاسی جنگ جو ہو گی لمبی ہو گی۔ ربڑ کی طرح کھنچے گی' وہ جلدی ہونے والا معاملہ نہیں ہے۔ اگر فوج ہوتی اس پرانی ذہنی فضاء کے اندر تو وہ جھٹ پٹ اس انتشار کو اور بڑھا کر اقتدار پر قبضہ کر لیتی' لیکن اس وقت کچھ بین الاقوامی حالات اور کچھ فوج کے اپنے اندرونی احساسات مارشل لاء کی راہ میں روک بنے ہوئے ہیں۔ انہیں بھی احساس ہو چکا ہے کہ بہت بدنامی فوج لے چکی ہے۔ اس لئے اب فوج جھٹ پٹ آگے نہیں بڑھے گی۔ اب تو لمبی سیاسی جنگ چلے گی۔ جن لوگوں نے ایک ہنگامہ سا اٹھانے کی سی کوشش کی تھی انہیں اس وقت بہت جلد مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہی مایوسی آپ کے لئے سنہری موقع فراہم کرتی ہے۔

یہ کام کرنے اور سمجھانے کا وقت ہے جو کارکن خلوص سے ایک دھن میں لگے ہوئے ہیں اگر آپ ان کے ساتھ رابطہ رکھیں گے' انہیں بتائیں گے کہ بھائی بات یہ ہے کہ تم

ایک سراب کے پیچھے دوڑ رہے تھے' تمہارا طریقۂ کار غلط تھا اور تم نے حالات کا صحیح اندازہ نہیں کیا' جذبات کی رو میں بہہ گئے۔ یہ ہمارا ایک بہت بڑا فرض ہے اس لئے کہ کارکن جب مایوس ہو جاتے ہیں تو ان کے اندر دوبارہ زندگی پیدا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ انہیں فوری طور پر مسیحائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ وہ ابھی غوطہ لگا رہا ہو' یہی وقت ہوتا ہے کہ آپ اس کو بچائیں اور یہ وقت بہت جلد آئے گا۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں شروع ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ اب مسلم لیگ کی تنظیم نو کی باتیں شروع ہو چکی ہیں۔ ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کا پھر دوبارہ اتحاد ہو گیا ہے۔ اُدھر سرحد میں محسوس ہوتا ہے کہ آئی جے آئی اپنی کوششوں میں ناکام ہو چکی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آئی جے آئی میں جو مذہبی جماعتیں وقتی طور پر اہمیت حاصل کر گئی تھیں' ظاہر بات ہے کہ ان کی اہمیت کم ہو جائے گی۔ اس وقت ان کے کارکنوں کے اندر بددلی پیدا ہوگی۔ آپ نے لنگر لنگوٹا کسا ہوا ہو گا تو یہ وقت ہو گا سمجھانے کا' ایسا نہ ہو کہ وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہیں۔ اگر ڈوب کر تہہ میں بیٹھ گئے تو ہمارے ہاتھ سے بھی گئے اور کسی کام سے بھی گئے۔

اس وقت اگر ان کے ذہنوں میں آپ یہ بات اتار سکیں کہ بھائی آپ جس نصب العین کے حصول کے لئے کوشاں ہیں اس کے لئے وہ طریقِ کار درست نہیں تھا جس پر آپ عمل پیرا تھے۔ صحیح طریق کار یہ ہے جس پر ہم کاربند ہیں۔ آپ انہیں سمجھائیں کہ خلوصِ دل سے کی گئی محنت اگر کسی سبب سے دنیا میں بار آور نہ بھی ہو تب بھی اللہ کے ہاں وہ رائیگاں جانے والی نہیں ہے۔ آپ نے اگر خلوص سے محنت کی تھی تو اس کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ پائیں گے۔ لیکن اب دوبارہ کمرِ ہمت کسنے کی ضرورت ہوگی۔ اور صحیح رخ پر اپنی جدّوجہد کو آگے بڑھانا ہو گا۔ کسی زمانے میں مجھے فیض کی ایک نظم بہت پسند تھی۔ اپنے قریبی حلقے میں بارہا میں نے وہ نظم سنائی بھی ہے' آج آپ بھی میری زبان سے سن لیجئے! ناکامیوں اور مایوسیوں کا سامنا کرنے کے بعد انقلاب کی راہ کے ایک صاحبِ عزم مسافر کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے' اس سلسلے میں یہ نظم ایک شہ پارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ؎

یہ فصل امیدوں کی ہمدم' اس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت صبحوں شاموں کی اب کے بھی اکارت جائے گی
دھرتی کے کونوں کھدروں میں پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو!
پھر مٹی سینچو اشکوں سے' پھر اگلے رُت کی فکر کرو!
پھر اگلے رت کی فکر کرو جب پھر اک بار اجڑنا ہے
اک فصل پکی تو بھر پایا جب تک تو یہی کچھ کرنا ہے

دعوت کا کام جاری رہے

دعوت کے ضمن میں کم از کم لاہور کی حد تک ہماری پہلی ترجیح درسِ قرآن ہے یہی ذریعہ ہے دین کی اصولی اور بنیادی دعوت کا البتہ اس وقت حالات کا تقاضا یا تبلیغی بھائیوں کی اصطلاح میں "امرِ حال" یہ ہے کہ آپ کی دعوت انہی چھ کتابوں پر مرتکز ہو جائے۔ درسِ قرآن کے جو حلقے مستحکم چل رہے ہیں، ان کو مستحکم رکھیں، جاری رکھیں۔ بنیادی دعوت تو ہمیں اس کے ذریعہ سے ہی دینی ہے۔ لیکن یہ چھ کتابیں آپ پڑھیں اور ان ہی کو پڑھائیں، زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے پاس رکھیں، لوگوں کو دیں، پھر ان سے ملیں۔ ان سے پوچھیں کہ اس میں اگر کوئی اختلاف ہے تو بیان کریں، اگر بات صحیح ہے تو بتائیں۔ جن حالات سے ہم اس وقت دوچار ہیں ان کا تقاضا ہے کہ آپ کی دعوت انفرادی سطح پر ہو اور ان کتابوں کے مطالعہ کو ترجیح دی جائے۔

مظاہرے بھی اہم ذریعہ ہیں

تیسری بات یہ ہے کہ نہی عن المنکر باللسان کے تحت اردو روزناموں میں عریانی اور فحاشی کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ جاری رکھئے۔ سات اگست کو اسلام آباد میں میرا درسِ قرآن ہو گا اور آٹھ کو وہاں مظاہرہ ہو گا۔ میں نے کمیونٹی سنٹر اسلام آباد میں تین بار درسِ قرآن کی منسوخی قبول کر لی مگر موضوع نہیں بدلا۔ اب یہ درس کمیونٹی سنٹر کے قریب ہی ایک مسجد میں ہو رہا ہے۔ موضوع وہی ہو گا "اسلام میں عورت کا مقام اور نظریہء مساواتِ مرد و زن اسلام کی نظر میں"۔ میرے کئی ساتھیوں نے کہا کہ آپ موضوع بدل دیجئے۔ میں نے کہا نہیں، درس ہو گا تو اسی موضوع پر ہو گا۔ ہم اصولوں پر مصالحت نہیں کریں گے۔ ہم انشاء اللہ اپنی دعوت اور فکر کو پھیلائیں گے اور اسلام آباد میں پھیلائیں گے۔ ہم عورت کی سربراہی کے مسئلے کو ایجی ٹیشن کا موضوع بنانے کے حق میں نہیں کیونکہ کسی مذہبی مسئلے پر ہنگامہ کھڑا کر کے جمہوریت کو نقصان پہنچانا غلط ہے۔ لیکن دین کی تعلیم میں کسی قسم کی ترمیم یا اسے مسخ کرنے کی کوشش کو بھی ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس جتنی طاقت ہے ہم دین کی فکر، سوچ اور تعلیم کو صحیح رخ پر برقرار رکھنے میں صرف کریں گے۔

اگر اسلام آباد میں اللہ کو منظور ہوا اور میرا درس ہو گیا تو میری خواہش ہو گی کہ اسی موقع پر راولپنڈی میں بھی اخبارات میں بے پردگی اور عریانی کے خلاف اسی نوع کا خاموش احتجاجی

مظاہرہ ترتیب دیا جائے جیسا کہ اس سے قبل لاہور میں ہو چکا ہے۔ اور کوشش ہونی چاہئے کہ یہ رفقاءِ تنظیم کا ایک بھرپور مظاہرہ ہو۔ پھر لاہور میں ۱۶ر اگست کو' جیسا کہ ہم طے کر چکے ہیں' ٹیلی ویژن اسٹیشن کے سامنے احتجاجی مظاہرہ ہونا چاہئے اور پچھلے تجربات کی روشنی میں اسے مزید بہتر انداز میں ترتیب دیا جانا چاہئے۔ احتجاجی مظاہروں کا یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔ یہ چیز ہمارے طریقِ کار سے بھی مطابقت رکھتی ہے اور ہماری تربیت کا ذریعہ بھی ہے۔

نظامِ جمعہ کو مزید محکم بنائیے

چوتھی بات خاص طور پر لاہور کے حضرات کے لئے یہ ہے کہ مسجد دار السلام کے اجتماعِ جمعہ میں شرکت کو آپ حضرات اپنا ایک دینی فریضہ سمجھئے۔ آپ نے اسے ابھی صرف ایک تنظیمی فریضہ سمجھا ہوا ہے۔ دیکھئے عام لوگ جن کی نہ کوئی دعوت ہے نہ تحریک وہ تو جمعہ جہاں بھی پڑھ لیں گے ان کا جمعہ تو شاید ادا ہو جاتا ہو لیکن کسی دینی تحریک سے جو لوگ وابستہ ہوں در حقیقت اصل جمعہ تو اُن کا ہے۔ حکمت اور فلسفہء دین کے اعتبار سے تو حقیقی جمعہ ان کا ہو رہا ہے۔ نظامِ جمعہ کی اہمیت کسی تحریک میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے۔ لاہور میں مسجد دار السلام کا اجتماعِ جمعہ اسی طور سے ہونا چاہئے۔ مجھے رپورٹ ملی ہے کہ وہاں رفقاء کی حاضری اور نظم کی پابندی تدریجاً بہتر ہو رہی ہے۔ تدریجاً کے لفظ میں ابھی کچھ کمزوری جھلکتی نظر آتی ہے۔ آپ لوگ اسے مزید پختہ کریں' اور اس بات کو سمجھیں کہ تنظیمی اور دینی تقاضے وہاں بتمام و کمال جمع ہو جاتے ہیں۔ میری غیر حاضری نے اس میں قطعاً کوئی کمی نہ آنے دیں۔ آپ اپنے اس قسم کے طرزِ عمل سے ثبوت دیتے ہیں کہ آپ کی وابستگی ایک شخص سے ہے، تنظیم سے نہیں ہے۔ یہ بات اجتماعیت کے لئے مہلک ہے ــــــــــــ ہم نے تو اس اجتماعِ جمعہ کو اپنی تنظیم کا اجتماع بنایا ہے اور اسی حیثیت سے اسے برقرار رہنا چاہئے۔

قوتِ کار کا مظاہرہ۔ امید کی ایک کرن

ایک بات مجھے آئندہ ہونے والے طلبہ کنونشن کے حوالے سے عرض کرنی ہے۔ میں نے اپنی کتاب "استحکام پاکستان" کے پہلے باب میں اس امید کا اظہار کیا تھا کہ اس ملک کو بنے ہوئے اب چالیس برس ہونے کو آئے ہیں۔ اب یہاں ایک ایسی نسل پیدا ہو کر جوان ہو چکی ہے جس پر غلامی کا داغ نہیں ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو میرے نزدیک امید کی ایک کرن کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اگر اس نسل کے سامنے کام کا کوئی نقشہ رکھا جائے

اور وہ اس کے دل میں اتر جائے تو اس کی قوتِ کار کو تعمیرِ نو اور احیائے دین کی راہ پر لگایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ سرِدست اسلام کے حوالے سے اس کا کوئی مظہر تو سامنے نہیں آیا لیکن اس نوجوان نسل کی قوتِ کار کا ایک مظہر ایک اور رنگ میں بہرحال ہمارے سامنے آیا ہے۔ جسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

کراچی میں مہاجر قومی موومنٹ کی صورت میں نوجوانوں کی قوتوں اور صلاحیتوں کے اظہار کو میں اسی سلسلے کی ایک کڑی شمار کرتا ہوں۔ ایم کیو ایم بنیادی طور پر نوجوانوں کی تحریک ہے۔ وڈیروں اور سرمایہ داروں کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے اصل کارکن، اور قائد اور جن لوگوں نے الیکشن لڑا، سب نوجوان ہیں اور میدانِ سیاست میں نووارد ہیں۔ سیاست میں انہوں نے اپنی قوت کا مظاہرہ کر دکھایا ہے۔ "مفت بازار" کی اسکیم میں انہوں نے حال ہی میں دو کروڑ کی مالیت کا سامان تقسیم کیا ہے۔ ان کی تحریک تنظیم پر بھی سنجیدگی سے توجہ دے رہی ہے۔ ان کے باقاعدہ تربیتی کیمپ منعقد ہو رہے ہیں۔ اور ایک اعتبار سے اقبال کے اس شعر کی تھوڑی بہت جھلک وہاں نظر آتی ہے کہ ؎

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

امید کی یہ کرن میرے اُسی تجسس کا مظہر ہے جس پر گفتگو میں نے "استحکام پاکستان" میں تفصیل سے کی ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس کا رخ غلط ہے۔ صحیح رخ پر تحریک اٹھانا تو ہماری ذمہ داری ہے مگر ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ہماری ملازمتیں، ہمارے کیریرز، ہماری کاروباری و گھریلو مصروفیات ہمیں ہلنے نہیں دیتیں۔ لیکن ایم کیو ایم کو دیکھئے، وہ تحریک غلط رخ پر سہی، مسلسل آگے بڑھ رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں الطاف حسین نے کہا ہے کہ اسی قسم کی تحریک پنجاب میں بھی اٹھنی چاہئے۔ معلوم نہیں وہ یہاں کون سی قومیت کی تحریک اٹھانا چاہتے ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں یہ ہمارے لئے چیلنج ہے۔ نوجوانوں کی قوتوں کو صحیح رُخ دینا ہمارا فرض ہے۔ آج وہ گولیوں سے ایک دوسرے کے سینے چھلنی کر رہے ہیں۔ اس رخ پر ڈالنے میں یقیناً ہماری بعض تحریکوں کی بھی غلطی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ کوتاہ ہمتی اور کوتاہ دستی ہماری ہے کہ صحیح رخ سامنے رکھتے ہوئے بھی اُسے پیش نہیں کر سکے۔ اس اعتبار سے میری نگاہ میں کراچی کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہاں نظم کا معاملہ اب کچھ بہتر ہوا ہے۔ بھائی جمیل الرحمٰن صاحب نے اپنی پیرانہ سالی کے باوصف بڑی ہمت سے نظم کو سنبھالا ہے لیکن یہ کام

کرنے کا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارے نوجوان ایم کیو ایم کی طرح کی کسی تحریک کو دین کے رخ پر موڑ سکیں یا یہ کہ نوجوانوں اور طلبہ کی تحریک کو جاندار انداز میں احیائے دین کے کام کے لئے اٹھا سکیں۔

تربیت گاہوں کی اہمیّت

اس موقع پر تربیت گاہوں کے موجودہ نظام کی طرف بھی آپ کو متوجہ کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ مبتدی اور منتظم رفقاء کی درجہ بندی کے ساتھ تربیت گاہوں کا جو سلسلہ میاں محمد نعیم صاحب نے شروع کیا ہے' اس کو ترجیحی بنیادوں پر پوری اہمیت کے ساتھ جاری رہنا چاہئے۔ میاں صاحب نہ صرف یہ کہ تربیت گاہوں کی جانب حسب سابق پوری توجہ دیں گے بلکہ اضافی طور پر احتجاجی مظاہروں اور کارنر میٹنگز کے پروگراموں کو بھی آرگنائز کریں گے۔ اس لئے کہ نہی عن المنکر باللسان کے معاملے کو اب ہمیں بڑے پیمانے پر شروع کرنا ہے۔ اقول قولی ھذا و استغفراللہ لی ولکم و لسائر المسلمین و المسلمات

اعلانِ داخلہ

برائے بی اے کلاس، قرآن کالج لاہور

۱۔ قرآن کالج میں بی۔اے کی کلاس میں داخلہ کے لیے ایف۔اے، ایف۔ایس۔سی یا آئی۔کام پاس طلبہ سے درخواستیں مطلوب ہیں۔

۲۔ جو طلبہ انٹر کا امتحان دے چکے ہیں اور نتیجہ کے منتظر ہیں وہ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔

۳۔ درخواستیں وصول کرنے کی آخری تاریخ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۹ء ہے۔

۴۔ نصاب اور دیگر تفصیلات کے لیے پانچ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس طلب کریں۔

المعلن: ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

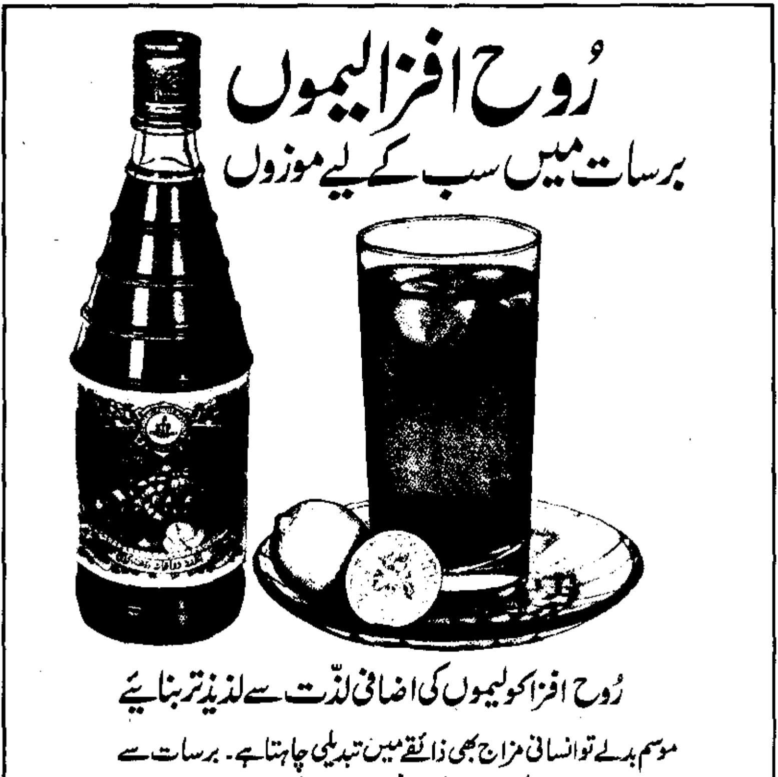

ADARTS-HRA-7/86

الھدٰی

مباحثِ عمل صالح

مسلمانوں کی سیاسی و ملّی زندگی کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

(۸)

"الہدٰی" کے عنوان سے میثاق میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے وہ سلسلہ وار دروسِ قرآن شائع کیے جا رہے تھے جو چند سال پیشتر پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگرام "الہدٰی" کے تحت نشر ہوتے تھے۔ ٹی وی کا یہ انتہائی مقبول سلسلہ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ پر پہنچا تو اسے بعض مصلحتوں کی بنا پر بند کر دیا گیا تھا اور اس طرح سورۃ الحجرات بھی مکمل نہ ہو سکی تھی۔

قارئینِ میثاق کے علم میں ہو گا کہ دروسِ قرآن کا یہ سلسلہ "قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب" کے دروس پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر صاحب یہ منتخب نصاب متعدد مرتبہ بیان کر چکے ہیں اور حسنِ اتفاق سے اس کے تیس تیس منٹ کے دروس آڈیو کیسٹ میں بھی محفوظ ہیں۔ اس اشاعت سے "الہدٰی" کے زیرِ عنوان انہی دروس کو ٹیپ سے اتار کر شائع کیا جا رہا ہے — سورۃ الحجرات کی آخری پانچ آیات کا درس پیشِ خدمت ہے۔

(ادارہ)

احمدہٗ واصلّی علیٰ رسولہِ الکریم ○ امابعد فاعوذ
باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ○
قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا
اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ
يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ○ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ
اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

صدق اللّٰہ العظیم

"یہ بدّو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کمی نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشش والا' مہربان ہے"۔ مومن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر' پھر شک میں نہیں پڑے۔ اور انہوں نے جہاد کیا اپنے مال اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ وہی ہیں جو سچے ہیں۔ کہئے' کیا تم اللہ پر جتلانا چاہتے ہو اپنا دین' حالانکہ اللہ تو جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں' اور اللہ تو ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ وہ آپ پر احسان دھر رہے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے۔ کہئے مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ دھرو' بلکہ اللہ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی راہ سجھائی اگر تم فی الواقع سچے ہو۔ یقیناً آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی چیز اللہ کے علم میں ہے اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو"۔

یہ سورۃ الحجرات کی آخری پانچ آیات ہیں۔ ان آیات کا مرکزی مضمون ہے اسلام اور ایمان کے مابین ایک فرق و تفاوت۔ پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس سورۃ میں یہ مضمون کس نسبت و تعلق سے اور کس ربط کی بنیاد پر آیا ہے۔ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اسلامی معاشرہ یا اسلامی ریاست ایک نظریاتی معاشرہ اور نظریاتی ریاست ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ اسلام عام معنی میں صرف ایک مذہب نہیں ہے کہ وہ صرف انفرادی زندگی سے بحث کرے اور صرف عقائد اور مراسمِ عبودیت ہی پر مشتمل ہو' بلکہ اسلام اس دنیا میں ایک نظام بناتا ہے' ایک معاشرہ قائم کرتا ہے' ایک حکومت اور ایک ریاست تعمیر کرتا ہے۔ یہاں ایک لازمی ضرورت از خود پیدا ہوتی ہے کہ یہ طے کیا جائے کہ کون اس معاشرے میں شریک ہے' کون اس ریاست کا شہری ہے۔ اس کے لئے کوئی معیّن بنیاد فراہم کی جائے۔ پھر یہ کہ یہ بنیاد محسوس اور مشہود ہونی چاہئے جس پر حکم لگایا جاسکے' جس کے بارے میں رائے قائم کی جاسکے' جس کے ردّو قبول کے لئے کوئی معیار بنایا جاسکے۔ یہ ہے وہ چیز جہاں سے اس مسئلے کا آغاز ہوتا ہے۔

اصولی اعتبار سے اسلام کی اصل جڑ ایمان ہے۔ ایمان ایک مخفی حقیقت ہے۔ یہ انسان کے قلب و ذہن کی ایک خاص کیفیت ہے جو خدا کے یقین' آخرت کے یقین اور نبوت و رسالت کے یقین سے وجود میں آتی ہے۔ یہ انسان کے باطن کا ایک پہلو ہے۔ اس کی بنیاد پر کوئی اجتماعی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ قانون کا موضوع نہیں بن سکتا۔ اس کی بنیاد پر دنیا میں فیصلے نہیں ہو سکتے۔ ہمارے پاس کوئی آلہ نہیں ہے کہ جس کے ذریعے سے ہم کسی کے دل میں جھانک کر دیکھ سکیں کہ ایمان موجود ہے یا نہیں' اور اگر موجود ہے تو کتنا ہے۔ لہٰذا دنیا میں کسی قانونی نظام کی بنیاد' کسی شہریت کی بنیاد' کسی معاشرے میں شمولیت کی بنیاد ایمان نہیں ہو سکتا' بلکہ کچھ مظاہر ہوں گے۔ کچھ ایسے پہلو کہ جو نظر آئیں' دکھائی دیں' جن کے عدم و وجود پر حکم لگایا جاسکے۔ وہ پہلو ہیں کہ جن کو معیّن کیا گیا ہے اور ان کو ارکانِ اسلام کا نام دیا گیا ہے۔ ازروئے حدیث نبوی :۔ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ......... یہ مشہور حدیث متفق علیہ ہے۔ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ کہتے ہیں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے" ۔ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ۔ "اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں" ۔ اب یہاں دیکھئے' لفظ "شہادۃ" استعمال کیا گیا ہے' یعنی گواہی' زبان سے اقرار۔ ایمان کا جو اقرار باللّسان والا پہلو ہے وہ "اسلام" میں زیر بحث آئے گا۔ جو شخص

زبان سے گواہی دے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ہمیں اس سے بحث نہیں ہوگی کہ اس پر اس کا دل میں یقین بھی ہے یا نہیں' اس کی اس شہادت کو قبول کرلیا جائے گا۔ اس کے بعد چار چیزیں ہیں جن کا التزام اس کے لئے ضروری ہوگا۔ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ' وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ' وَ حَجِّ الْبَيْتِ' وَصَوْمِ رَمَضَانَ...... "نماز کو قائم کرنا' زکوٰۃ کی ادائیگی' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا" ۔ یہ ارکانِ اسلام ہیں۔ یہ شعائرِ اسلام ہیں جن کی بنیاد پر کسی شخص کو اسلامی ریاست کا شہری اور مسلمان معاشرے کا فرد تسلیم کیا جائے گا' اس سے ایک مسلمان کا سا معاملہ کیا جائے گا' مسلمان عورت سے اس کا نکاح جائز ہوگا' مسلمان باپ کی وراثت اسے مل جائے گی' اِلّا آنکہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص کسی ایسی بات کا بھی قائل ہے جس سے دین کی بنیادی باتوں میں سے کسی کی نفی ہوتی ہے۔ یہ بات ثانوی درجے میں اس کی تکفیر کی بنیاد بنے گی۔ لیکن جب تک کوئی ایسی چیز علم میں نہیں آتی اس وقت تک صرف ان ارکان کی بنیاد پر اسے مسلمان معاشرے کا ایک فرد اور اسلامی ریاست کا ایک شہری تسلیم کیا جائے گا۔ یہ ہے اسلام۔ اس فرق و تفاوت کو اس سورۂ مبارکہ میں بڑی ہی خوبصورتی اور بڑی ہی جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ جیسا کہ قرآن مجید کا عام اسلوب ہے بہت سی آیات کا ایک خاص پس منظر ہوتا ہے جسے اس کا شانِ نزول کہا جاسکتا ہے اور اس سے یقیناً اس آیت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے' لیکن آیت کے مفہوم کو عام (GENERALIZE) کیا جائے تو پھر وہ ابدی رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ ارشاد ہوا...... قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا...... "یہ بدّو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے" ۔ اب ظاہر بات ہے کہ یہ الحجرات مدنی سورت ہے اور اس کا اسلوب بتا رہا ہے کہ یہ مدنی دور کے بھی آخری زمانے سے متعلق ہے۔ اس دور میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں فیصلہ کن اقتدار اور اختیار کے مالک ہو چکے تھے۔ اُس وقت بہت سے قبیلوں نے یہ سوچا کہ اب مزاحمت جاری رکھنے کا کچھ حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اجتماعی سطح پر فیصلہ کیا اور مختلف قبائل کے وفود حضورؐ کی خدمت میں جوق در جوق حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ ان لوگوں کا جو اسلام میں داخلہ ہوا ہے اور جس کا نقشہ قرآن مجید میں بایں الفاظ کھینچا گیا کہ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ظاہر بات ہے کہ یہ داخلہ نوعیت کے اعتبار سے بہت مختلف تھا اُس داخلے سے جو مکی زندگی کے آغاز میں ہو رہا تھا۔ جب حضرت ابوبکر اور حضرت حمزہ ایمان لائے ہیں۔ جب حضرت علی اور حضرت عمر ایمان لائے ہیں (رضی اللہ عنہم وارضاہم اجمعین) ۔ وہ

ایمان کچھ اور ایمان تھا' یہ ایمان کچھ اور ایمان ہے۔

ان لوگوں میں سے بعض کا قول نقل کیا گیا کہ یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا " (اے نبی ان سے) کہہ دیجئے تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو" ۔ اس مغالطے میں جتلانہ ہو' ایمان تو چیزے دگر ہے' اک دوسری حقیقت ہے۔ تم ایک بات کہہ سکتے ہو...... وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا۔ "یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں" ۔ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ بالفظی ترجمہ کیجئے...'WE HAVE SURRENDERED' ہم نے اطاعت قبول کرلی ہے۔ اسلام کے لفظی معنی "گردن نہادن" ہیں۔ یعنی مخالفت اور مقابلہ چھوڑ کر سر ڈال دینا۔ یہ ہے اسلام۔ تو تم دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہو۔ یا اصطلاح میں یوں کہہ لو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ "اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے" ۔ ابھی صرف اقرارٌ باللّسان کا مرحلہ طے ہوا ہے۔ تم نے زبان سے ان حقائق کا اعتراف کر لیا ہے لیکن ان حقائق پر جو یقین مطلوب ہے وہ ابھی تمہارے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوا۔ یہاں دیکھئے کہ نفی کی تاکید کے لئے دو اسلوب آئے۔ یہ بھی فرمایا...... "لَمْ تُؤْمِنُوْا" (تم ایمان نہیں لائے ہو) ۔ مزید تاکید کر دی گئی...... "وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ" (اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا) ۔

یہ بحث ہمارے اس منتخب نصاب میں حقیقتِ ایمان کے ضمن میں اجمالاً آچکی ہے۔ اس مرحلہ پر اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی اہمیت کیا ہے۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر اسلام اور ایمان کے الفاظ مترادفات کی حیثیت سے استعمال ہوتے ہیں۔ ایک شخص میں جب یہ دونوں حقیقتیں بیک وقت موجود ہوں تو وہ مومن بھی ہے' مسلم بھی! دل میں نورِ ایمان ہے' ظاہر میں اسلام ہے' یعنی عمل اسلام کے مطابق ہے۔ نماز ہے' روزہ ہے' زکوٰۃ ہے' حج ہے' حلال اور حرام کی پابندی ہے۔ جب تصویر کے یہ دونوں رخ موجود ہیں اور تصویر مکمل ہے تو پھر تو انگریزی کا وہ محاورہ ہوگا کہ......

"CALL THE ROSE BY ANY NAME, IT WILL SMELL AS SWEET"

مومن کہہ لیں' مسلم کہہ لیں برابر ہے۔ اس معنی میں لفظ اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں بھی آیا ہے۔ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دعا کر رہے ہیں: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ یعنی پروردگار' ہم دونوں کو اپنا مسلمان بنائے رکھ' ہمیں اپنی فرمانبرداری پر کاربند رکھ' ہمیں

اس بات کی توفیق بخش کہ ہم تیری اطاعت میں سرگرم رہیں.......... تو اس معنی میں اسلام بہت بلند حقیقت ہے اور ایمان اور اسلام مترادف اور ہم معنی ہیں۔ لیکن ایک پہلو سے ان کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلام اس دنیا میں ایک نظام کی بنیاد بن رہا ہے' ایک قانون کی اساس بن رہا ہے' اس کی بنیاد پر ایک معاشرہ تعمیر ہو رہا ہے' اس کی بنیاد پر ایک ریاست اور حکومت تعمیر ہو رہی ہے' اس کی اساس پر اس ریاست کی شہریت کا معاملہ طے ہو گا۔ جبکہ ایمان اس دلی کیفیت' یقین اور محبتِ خداوندی پر مشتمل ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی بنیاد پر آخرت میں معاملے طے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کوئی شخص دنیا میں صرف مسلمان ہی نہیں مسلمانوں کا بہت بڑا قائد تسلیم کیا جائے اور آخرت میں حقیقی ایمان کے اعتبار سے وہ تہی دست اور محرومِ مطلق قرار دیا جائے اور جہنم کی آگ کے حوالے کر دیا جائے۔ تو معلوم ہوا کہ اس پہلو سے اسلام اور ایمان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

یہ مقام اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں ایمان اور اسلام کو ایک دوسرے کے مقابل میں لا کر ایک کی نفیِ کُلّی کے باوصف دوسرے کا اثبات کیا گیا ہے۔ اور نفی کا بھی انتہائی تاکیدی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ جب فعل مضارع پر "لَمْ" لگا کر ماضی کی نفی کی جائے تو یہ انتہائی تاکید ہوتی ہے۔ مزید تاکید وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا) کے الفاظ سے ہو گئی۔ بایں ہمہ تمہارا اسلام قبول ہے..... وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا۔ "اور (اس حالت میں) اگر تم اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت پر کاربند ہو تو تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی" ۔ یہاں پھر دیکھئے کہ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے الفاظ میں اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ؐ بالکل اسی طرح یکجا ہو کر آ رہے ہیں جیسے اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں آ چکا ہے: لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ "اللہ اور اس کے رسول ؐ سے آگے مت بڑھو!" یہ تمہارے اسلام کا ابتدائی اور اولین تقاضا ہے۔ اگر تم اس پر کاربند ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ یہاں غور کیجئے کہ بظاہر تو صحیح صورت یہ نظر آتی ہے کہ بغیر ایمان کے کوئی عمل قبول نہ ہو۔ یہ بات منطقی ہے' معقول ہے' سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن یہاں اس کے برعکس بات کہی جا رہی ہے۔ ایمان کی اس نفیِ کُلّی کے باوجود نیک عمل کو سندِ قبول دی جا رہی ہے لیکن غور کیجئے کہ یہ نفیِ کلی حقیقی ایمان کے اعتبار سے ہے' قانونی ایمان کے اعتبار سے نہیں۔ اس ایمانِ حقیقی کی انتہائی مؤکد نفی کے باوصف ان کی اطاعت کو قبول کیا جا رہا ہے اور انہیں یہ اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ تمہارے اجر و ثواب میں سے

کوئی کٹوتی نہ ہوگی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

آیت کے آخر میں اللہ کی صفات کا حوالہ دیا گیا ہے: اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ "یقیناً اللہ تعالیٰ بخشش والا' مہربان ہے"۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اکثر آیات کے آخر میں اللہ کے اسماء و صفات میں سے کوئی ایک یا بالعموم دو اسماء جوڑوں کی شکل میں آتے ہیں اور یہ یونہی الل ٹپ نہیں آتے...... نعوذ باللہ من ذالک...... بلکہ ان اسماء یا صفات کا اس آیت کے مفہوم سے کہ جس کے آخر میں وہ آرہے ہوں' ایک بڑا گہرا ربط ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ یہ اللہ کی شانِ رحیمی اور غفاری کے طفیل ہے کہ اس حالت کو بھی وہ قبول کر رہا ہے' اس میں بھی اگر اطاعت پر کاربند رہو گے تو اگرچہ اللہ نے تمہارے کان کھول دیئے ہیں اور تمہیں سنا دیا ہے کہ ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا' بایں ہمہ صحیح طور پر اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر کاربند رہو تو تمہارے اعمال میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی اس لئے کہ اللہ غفور ہے' رحیم ہے' بہت بخشنے والا ہے' بہت رحم فرمانے والا ہے۔ وہ بندوں سے اگر بالکل ناپ تول کا معاملہ کرے تو شاید کسی کو رستگاری نہ ہو سکے' کوئی بھی چھٹکارا نہ پا سکے۔ وہ بندوں کے ساتھ بہت ہی رعایت کا معاملہ کرتا ہے۔ اگر تم اس حالت میں بھی اطاعت پر کاربند رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال کے اجر و ثواب میں سے کوئی کمی نہ کرے گا۔

یہاں ذہن میں رکھئے کہ اس آیۂ مبارکہ کا مصداق دورِ نبویؐ میں تو صرف وہ لوگ تھے جو آخری زمانے میں اس طور سے ایمان لے آئے کہ ایک قبیلے نے بیٹھ کر طے کیا' پھر شیخ قبیلہ اور اس کے دو چار اور بڑے افراد وفد کی صورت میں آئے' انہوں نے اطاعت کی' اسلام لے آئے تو گویا کہ پورا قبیلہ اسلام لے آیا۔ اب ظاہر بات ہے کہ اس حالت میں وہ دل کی دنیا تو یکسر نہیں بدل سکتی۔ الا ماشاء اللہ۔ وہ تو ایک بالکل دوسرا مرحلہ ہے لہٰذا اس آخری دور میں جو لوگ ایمان لانے والے تھے ان میں سے کچھ لوگوں کی حالت کا نقشہ ان آیاتِ مبارکہ میں کھینچا گیا ہے' لیکن بعد کے ادوار میں آنے والے مسلمانوں میں سے اکثریت کا حال یہی ہے۔ یہ ذہن میں رکھئے کہ اُس وقت جب رو چلی کہ سب لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں تو لوگ اسلام لے آئے۔ اسی طرح جب ایک مسلمان کے گھر میں جو بچہ پیدا ہوا وہ مسلمان' اس کی اگلی نسل چلی تو وہ بھی مسلمان تو اس طرح نسلاً بعد نسلٍ جو اسلام آیا ہے اور اس نے جو ایک امت اور ایک قوم کی شکل اختیار کی ہے تو اکثر کا حال یہی ہے۔ وہ ایمانِ شعوری' وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر یقین' انسان کے شعور اور اس کے قلب و ذہن میں ان حقائق کا اجاگر ہونا' یہ

کیفیت شاذ لوگوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

پہلے سورۂ آل عمران کی آخری آیات کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تقلیدی ایمان تو پھر بھی کچھ لوگوں کو حاصل ہو جاتا ہے' لیکن جنہیں اکتسابی اور شعوری ایمان حاصل ہو وہ شاذ ہوتے ہیں' انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ اکثر و بیشتر کا معاملہ اسی صورت کے مشابہ ہے جو اس آیت میں سامنے آرہی ہے کہ "قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا" اس میں ہمارے لئے بڑی نوید جانفزا اور بڑی بشارت ہے کہ اگر ہم اپنے باطن میں جھانکیں اور یہ محسوس کریں کہ وہ ایمان کی مثبت حقیقت' وہ یقین کی کیفیت' وہ نورِ ایمان اس سے تو ہمیں حصہ نہیں ملا' اس میں ہم تہی دامن اور تہی دست ہیں' تب بھی مایوسی کی بات نہیں۔ اللہ کی شانِ رحیمی اور غفاری کا معاملہ یہ ہے کہ اس حالت میں بھی اگر اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر کاربند رہیں تو ہمیں اپنے اعمال کی پوری پوری جزا مل کر رہے گی۔ اگرچہ یہ بات واضح رہے کہ یہ اطاعت جزوی اطاعت نہیں کلی اطاعت مطلوب ہے۔ اطاعت صرف وہی قرار دی جائے گی جس میں پوری اطاعت ہو۔ یہ نہیں کہ جو چیز پسند آگئی اس میں اطاعت کرلی اور جو بات کٹھن نظر آئی یا طبیعت کے لئے کچھ ناگوار ہوئی تو اس میں اس اطاعت کا قلادہ گردن سے اتار پھینکا۔ ایسی اطاعت قابل قبول نہیں۔ اطاعتِ کُلّی نہیں ہوگی تو معاملہ یہ ہوگا جو سورۃ البقرۃ میں آیا کہ: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی کیا تم ہمارے احکام' ہماری کتاب اور ہماری شریعت کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟ ایک حکم سر آنکھوں پر اور دوسرا حکم پاؤں تلے۔ اگر تم یہ کرو گے تو جان لو کہ کوئی اور سزا نہیں ہے ان کی جو اس جرم کا ارتکاب کریں سوائے اس کے کہ دنیا میں انہیں ذلیل و رسوا کر دیا جائے اور آخرت میں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔ اور کان کھول کر سن لو اللہ غافل نہیں ہے' بے خبر نہیں ہے اس سے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو۔ تو معلوم ہوا جزوی اطاعت اطاعت نہیں ہے۔ اطاعت' کلّی اطاعت کا نام ہے۔ اگر اس اطاعت پر کاربند رہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ غفاری اور رحیمی کے طفیل ہمیں یہ اطمینان دلایا ہے کہ ہمارے ان اعمال کی جزا میں سے وہ کچھ کاٹے گا نہیں۔

اس اطاعتِ کاملہ کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے حقیقتِ ایمان کے ضمن میں عرض کر چکا ہوں کہ اگر اس اطاعت پر مسلسل عمل رہے تو اس کے نتیجے میں بھی ایک ایمان پیدا ہو جاتا ہے' جس طریقے سے انسان کا باطن اس کے ظاہر پر اثر ڈالتا ہے اسی طرح انسان کا خارج بھی اس کے باطن پر عکس ڈالتا ہے۔ اگر ایک انسان مسلسل اطاعتِ خدا وندی اور اطاعتِ رسولؐ پر کاربند رہے تو اس کے نتیجے میں اس کے دل میں ایمان اور یقین کی ایک کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ ایمان شعوری ایمان کے درجے کو نہ پہنچے' ایک تقلیدی ایمان ہی ہو' لیکن یقینِ قلبی کی ایک کیفیت بہر حال پیدا ہو جائے گی۔ اس پہلو سے بھی گویا کہ اس میں ایک منطقی ربط نظر آیا کہ اگر تم اس اطاعت پر کاربند رہو تو تمہاری جزا میں سے بھی کچھ کمی نہ ہو گی اور اس کا یہ نتیجہ نکلنے کی بھی توقع ہے کہ ایمانِ حقیقی سے بہرہ ور ہو جاؤ۔ اس مقام پر اس آیہء مبارکہ کے مضمون کا اصل فائدہ' جیسا کہ میں نے عرض کیا' یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی بنیاد اسلام پر ہے' ایمان پر نہیں۔ یہاں ایمان کے عدم و وجود کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ تکفیر ہو سکتی ہے۔ کوئی شخص نماز کا منکر ہوا تو کافر ہو گیا۔ آپ اسے اپنے معاشرے سے کاٹ دیجئے۔ کسی شخص نے زکوٰۃ کا انکار کیا تو وہ کافر ہو گیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں سے قتال کیا۔ ظاہر بات ہے کہ ان کا ارتداد ہر شک و شبہ سے بالاتر تھا' تبھی ان سے قتال جائز ہوا۔ اسی طرح کوئی شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار کر دے تو اس کی تکفیر ہو جائے گی۔ لیکن جب تک ایسی کسی چیز کا ظہور اس کی طرف سے نہیں ہو رہا ہے تو توحید و رسالت کی شہادت اور ارکانِ اسلام کی بنیاد پر اس کو مسلمان سمجھا جائے گا' مسلمان کا سا معاملہ کیا جائے گا اور وہ اسلامی ریاست کا شہری ہو گا۔ وہ اگر نیک ہے' متقی ہے' پانچ وقت کا نمازی ہے' تہجد گزار ہے تو اس کی عزت زیادہ کی جائے گی' لیکن اگر وہ ان صفات سے متصف نہیں ہے تو اس کی وقعت معاشرے میں اتنی ہی کم ہو جائے گی' لیکن قانونی اعتبار سے اس کا STATUS مساوی رہے گا۔ اسے وہ تمام شہری حقوق حاصل رہیں گے جو اسلامی ریاست میں کسی بھی شہری کو حاصل ہوتے ہیں۔

اب دیکھئے کس قدر منطقی ربط ہے! جب مسئلہ یہ چھڑ گیا کہ اسلام اور ہے' ایمان اور تو پھر چاہے متعین لوگ تھے انہیں مخاطب کر کے ان سے کہلوایا گیا۔ بہر حال ایک بات اصولی طور پر سامنے آ گئی کہ ایمان کی مؤکد اور کامل نفی کے باوصف اسلام کا اثبات اور ان کی اطاعت کو قبول کرنے کی ایک امید دلا دی گئی۔ لیکن یہاں از خود سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ ایمان کیا ہے؟ اس کو DEFINE کیا جانا چاہئے۔ اس ایمان کے ارکان کونسے ہیں' اس کے لوازم کیا

ہیں اور ان کی بنیادیں کیا ہیں۔ لہٰذا اگلی آیت اس کو طے کر رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ آیت خاص اس پہلو سے قرآن مجید کی اہم ترین آیت ہے' اس لئے کہ ایمان کے مظاہر' ایمان کے ثمرات ونتائج اور ایمان کے لوازم تو قرآن مجید میں جابجا بیان ہوئے ہیں، ہم سورۃ التغابن کے دوسرے رکوع میں بھی ان میں سے بہت سوں کا مطالعہ کر چکے ہیں لیکن جہاں ایمان کو اسلام کے بالمقابل لایا گیا اور ایمان کی نفی کرتے ہوئے اسلام کا اثبات کیا گیا اور پھر اس پس منظر میں ایمان کو DEFINE بھی کیا گیا' یہ مقام منفرد حیثیت واہمیت کا حامل ہے۔ اب یہاں اس ایمان کی ایک تعریف (DEFINITION) آرہی ہے۔ اور اس آیہء مبارکہ میں آپ دیکھیں گے کہ اول و آخر حصر کا اسلوب ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ...... "اِنَّمَا" کلمہء حصر ہے۔ ترجمہ ہو گا۔ "مومن تو بس وہ ہیں"۔ تم جاننا چاہو گے کہ اگر ہمارے ایمان کی نفی کی جارہی ہے تو پھر ایمان کیا ہے' ایمان کے تقاضے کیا ہیں' ایمان کے لوازم کیا ہیں' تو جان لو۔ مومن تو بس وہ ہیں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا۔ "جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر۔ پھر شک میں نہیں پڑے"۔ یعنی اس ایمان نے ایک یقین کی صورت اختیار کرلی۔ قرآن مجید کا یہ واحد مقام ہے جہاں ایمان کے بعد ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا کے الفاظ میں ایک اضافی شرط عائد کی گئی ہے۔ یعنی وہ ایمان یقینِ قلبی کی شکل اختیار کر چکا ہو۔ وہ صرف ظن وتخمین اور گمان کے درجے میں نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ انسان صرف کچھ اپنے منطقی استدلال کے تانے بانے کی بنیاد پر کچھ چیزوں کو مان رہا ہو' بلکہ ایمان ایک یقین کی کیفیت بن کر اس کے قلب میں جاگزیں ہو گیا ہو۔ ایک ایسی کیفیت کے ساتھ کہ اس میں شکوک وشبہات کے کانٹے چبھے نہ رہ گئے ہوں۔ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا۔ یہ ارتیاب "ریب" سے بنا ہے جو سورۃ البقرہ کی بالکل آغاز کی آیت میں آیا ہے..... ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔ تو وہ ریب میں مبتلا نہ ہوں۔ ایمان ایک چٹان کے مانند ان کے دلوں میں قائم ہو جائے۔

شک وشبہ سے پاک ایمان و یقین پھر ایک باطنی کیفیت ہے' جو دوسرے انسان کے مشاہدہ میں نہیں آسکتی۔ اس پر انسان اپنی حسِ ظاہری سے کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ اس یقین باطنی کا جو ظہور ہے انسان کے عمل میں اب یہاں اس کو معین کیا گیا: وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ "اور انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں"۔ اس کے راستے میں اپنی قوتیں لگائیں' صلاحیتیں لگائیں' اوقات صرف کئے اور اس میں اپنے مالی وسائل وذرائع کو کھپایا اور جھونکا۔

یہاں ایمان اور جہاد کے باہمی تعلق کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ ایمانِ حقیقی کے دو ارکان

ہیں۔ ایک یقین قلبی اور دوسرے جہاد۔ یعنی مجاہدہ و کشمکش۔ اللہ کے دین کے لئے یہ جہاد یہ جدوجہد' یہ مجاہدہ' یہ کشمکش' یہ سعیِ پیہم اور یہ جُہدِ مسلسل اس ایمانِ حقیقی کا مظہرِ اول ہے' یہ اس کا یقینی نتیجہ ہے۔ بالکل اس طرح جیسے کہ ہم کسی کیمونسٹ کے بارے میں بڑے اطمینان کے ساتھ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شخص مارکسسٹ بنا پھرتا ہے' حالانکہ وہ اس سرمایہ دارانہ معاشرے میں بڑے اطمینان سے رہ رہا ہے' پاؤں پھیلا کر سوتا ہے۔ چونکہ اس کے مفادات اس معاشرے سے وابستہ ہیں للہٰذا اس کی زندگی میں وہ تصادم اور کشمکش نظر نہیں آرہا۔ ایک شخص اگر واقعۃً مارکسسٹ اور کیمونسٹ ہے تو اس کا کسی سرمایہ دارانہ معاشرے میں اطمینان سے رہنا' اس میں اپنے لئے جگہ بنانا' اس میں پھلنے پھولنے کی کوشش کرنا اور اس میں پاؤں پھیلا کر سونا' اس کے حقیقی معنی میں مارکسسٹ ہونے کی نفی کر دے گا۔ اسی طریقے سے حقیقی ایمان سے بہرہ ور ایک مسلمان ایک ایسے ماحول میں جہاں اسلام کا غلبہ نہ ہو' جہاں اللہ کے احکام کو نافذ نہ کیا گیا ہو' جہاں اللہ کا دین غالب نہ ہو' جہاں کا معاشرہ سنّتِ رسولؐ کی بنیاد پر استوار نہ کیا گیا ہو' وہاں اس کی زندگی ایک کشمکش اور تصادم کی زندگی ہوگی۔ وہ ہمہ وقتی مجاہدہ اور سعی وجہد میں مصروف رہے گا۔ اس ماحول کو بدلنے اور اس میں ایک ایسا انقلاب لانے کے لئے کہ جس میں اللہ کا دین قائم ہو' اللہ کے احکام کی تنفیذ ہو' جو اللہ چاہتا ہے وہی ہو' بقولِ حضرت مسیح علیہ السلام کہ اے رب تیری مرضی جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے ایسے ہی زمین پر پوری ہو۔ اس مقصود کے لئے اگر اس میں محنت و مشقت' قربانی و ایثار' جدوجہد اور کوشش اور یہاں تک کہ اگر وقت آئے تو اپنی نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں حاضر ہونے کا اگر جذبہ اور مادہ نہیں ہے تو یہ اس کے ایمان حقیقی کی نفی کے لئے کامل ثبوت ہے۔ گویا کہ ایمان حقیقی کے دو رکن بتادیئے گئے۔ یقینِ[۱] قلبی والا ایمان اور مجاہدہ[۲] اور جہاد اور کشمکش کی زندگی۔ فرمایا "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔" "یہ ہیں وہ لوگ جو سچے ہیں (اپنے دعوئ ایمان میں)" کہنے کو تو سب مومن ہیں اور جو چاہے ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرے اور چلئے جس شخص کے اندر یہ کیفیت نہیں بھی ہے اگر وہ بنیادی تقاضے پورے کرتا ہے' اگر اس نے شہادت کا کلمہ ادا کیا ہے' اگر وہ ارکانِ اسلام کا' شعائرِ اسلام کا پابند ہے' اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے میں اسے قبول کر لیا جائے گا' لیکن حقیقی ایمان درحقیقت مجموعہ ہے ان دو چیزوں کا' یعنی یقینِ[۱] قلبی اور عمل[۲] میں جہاد اور مجاہدے کی ایک کیفیت' ایک مسلسل کشمکش' ایک مسلسل جدوجہد' ایک سعی پیہم۔ اگر کوئی اللہ کے لئے' اس کے دین کی سربلندی کے لئے اپنی جان بھی کھپا رہا ہے اور مال بھی لگا رہا ہے تو ایسا شخص فی الواقع

مومن ہے اور اس کا دعویٰ ایمان حقیقت کے اعتبار سے سچا ہے۔

یہاں ذہن میں رکھئے کہ یہ آیہء مبارکہ ہمارے اس منتخب نصاب میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم نے اس کا آغاز سورۃ العصر سے کیا تھا۔ اس میں انسان کی نجات کے چار لوازم یا شرائط ہمارے سامنے آئی تھیں۔ ایمان 'عمل صالح' تواصی بالحق' تواصی بالصّبر۔ یہاں یوں سمجھئے کہ ان چار کو دو میں سمو دیا گیا۔ جب ایمانِ حقیقی یعنی یقینِ قلبی والا ایمان ہے تو عمل تو اس کے تابع آپ سے آپ آگیا۔ یہ حقیقتِ ایمان کی تقریر میں میں تفصیل سے واضح کر چکا ہوں اور دوسرے جہاد در حقیقت تواصی بالحق اور تواصی بالصّبر دونوں کا مجموعہ ہے۔ تو اس آیت میں گویا کہ سورۃ العصر کی چار چیزیں دو اصطلاحات کی شکل میں سامنے آرہی ہیں۔ اور ہمارے اس منتخب نصاب کا جو چوتھا حصہ اب شروع ہونے والا ہے اس کا مرکزی مضمون اور اس کا عنوان "جہاد" ہے۔ جہاد کی حقیقت' جہاد کی غایتِ اولیٰ' جہاد کی غایتِ قصویٰ' اس کا ابتدائی مقصد اور اس کی انتہائی منزل..... پھر اس جہاد کی کیا اہمیت ہے اور اس کے لئے کس کس طور سے پکارا گیا ہے' اہل ایمان سے کس طریقے سے اس کا تقاضا کیا گیا ہے، یہ مضامین تواصی بالحق کے ذیل میں اس منتخب نصاب کے چوتھے حصے میں آنے والے ہیں۔

اس سورہ مبارکہ کی بقیہ آیات کا اب صرف خلاصہ دیا جاسکتا ہے۔ وہ لوگ جو اس نہج پر ایمان لائے تھے کہ ان کے دلوں میں ایمان ابھی داخل نہیں ہوا تھا وہ جس طرح ہمارے ہاں کہاوت ہے کہ "تھوتھا چنا باجے گھنا" اپنے ایمان اور اسلام کا کچھ زیادہ ہی اظہار کیا کرتے تھے۔ حضور پر احسان بھی جتایا کرتے تھے کہ دوسرے تو لڑ بھڑ کر ایمان لائے' ہم نے تو ویسے ہی آپ کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ ان آیات میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے' ارشاد ہوا کہ اے نبی ان سے کہئے کہ تم اللہ پر اپنا دین جتلانا چاہتے ہو' حالانکہ اگر اللہ کو تم مانتے ہو تو اللہ تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کا جاننے والا ہے۔ پھر یہ بار بار اپنے ایمان اور اپنے اسلام کا اظہار اس انداز میں کرنا کہ جیسے تم نے اسلام قبول کر کے مجھ پر کوئی احسان کیا ہے یا ایمان لا کر اللہ کے دین پر کوئی احسان کیا ہے' یہ چیز در حقیقت غمازی کر رہی ہے کہ اندر کچھ خلا ہے' معاملہ خالی ہے۔ تم ابھی حقیقتِ ایمان سے بہرہ ور نہیں ہو۔ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا "اے نبی یہ آپ پر احسان دھر رہے ہیں کہ یہ ایمان لے آئے"۔ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ۔ "کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا کوئی احسان نہ دھرو۔ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ

باقی صـ۵۵ـ

تحقیق و توضیح

کیا سندھ کو نبی اکرمؐ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے؟

ممتاز دینی سکالر و محقق، ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنی کتاب "استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" کے ابتدائی صفحات میں برصغیر میں اسلام کی آمد اور اشاعت کے ضمن میں سرزمین سندھ کی خصوصی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے مشہور سکالر اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ کے حوالے سے اِس خیال کا اظہار کیا تھا کہ سرزمین سندھ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔ اپنی کتاب کے ص ۲۳ پر فٹ نوٹ میں محترم ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کر دی تھی کہ اِس بات کا انکشاف ڈاکٹر حمید اللہ نے چند سال قبل سندھ یونیورسٹی جام شورو کے انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی میں ایک لیکچر کے دوران فرمایا تھا۔ ریکارڈ کو درست رکھنے کی خاطر اور اس معاملے کی مزید وضاحت کے خیال سے ہم نے حال ہی میں سندھ یونیورسٹی سے ڈاکٹر حمید اللہ کے متعلقہ لیکچر کا کیسٹ حاصل کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ لیکچر اصلاً 'سیرت النبی' کے موضوع پر تھا۔ تقریر کی ابتدا میں بطور تمہید انہوں نے سندھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور اہل سندھ سے آپؐ کی ملاقات کے امکان پر گفتگو فرمائی تھی، اور اس ضمن میں اپنی تحقیق کا حاصل سامعین کے سامنے رکھا تھا۔ تقریر کا متعلقہ حصہ ٹیپ کی ریل سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

محترم وائس چانسلر صاحب، محترم اساتذہ اور عزیز طلباء!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

یہ میرے لئے بڑے شرف کا باعث ہے کہ آپ نے مجھے اس مبارک تقریب میں حصہ

لینے کاموقع دیااور سیرت النبی جیسے وسیع اور ناپیدا کنار موضوع کے چند پہلوؤں پر آپ سے کچھ عرض کرنے کی فرمائش کی گئی ہے' جومیں اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتاہوں۔

سندھ میں اس (سیرت النبی کے جلسے) کااجتماع بہت سی پرانی چیزیں یاد دلاتا ہے۔ اگر مجھے سندھی زبان آتی تویقیناً سندھی زبان ہی میں آپ کو مخاطب کرتا' کیونکہ شاید یہ وہی زبان ہے جوہمالیہ کے براعظم میں سب سے پہلے اسلام سے متعارف ہوئی اور سارے براعظم میں دُور دُور تک اسلام پھیلتا چلا گیا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے کہ اس کی تمام تفصیل میں جاؤں۔

سیرت النبیؐ کے سلسلے میں دو چیزیں یاد آتی ہیں جن کا تعلق سندھ سے ہے۔ اس کا ذکر کرنے کے بعد میں بعض اور چیزیں آپ سے عرض کروں گا۔

پہلی چیز جو ہے اس کا تعلق سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے سیرت النبیؐ سے نہیں 'یعنی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے اُس وقت اس کا پتا چلتاہے کہ آپ کم از کم سندھیوں سے واقف ہوئے تھے' سندھیوں سے مل چکے تھے' چاہے سندھ تشریف لانے کا آپ کو موقع نہ ملاہو۔ ممکن ہے سندھ بھی تشریف لائے ہوں اسی لئے کہ اس زمانے کے لئے یہ ناممکن نہیں تھا' لیکن اس کا توپتا چلتاہے' اگرچہ سوفیصد یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ آپ سندھیوں سے ملے تھے۔

اولاً سفر کاامکان...... اس سے سب لوگ واقف ہیں جو سیرت النبیؐ کی کتابیں پڑھتے ہیں کہ حضور دو مرتبہ شام تشریف لے گئے تھے' ہمارے مؤرّخ اُس کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ آپ یمن بھی گئے تھے کم از کم دو مرتبہ...... اس کا بھی ہمارے پاس اب قطعی ثبوت موجود ہے کہ آپ عرب کے مشرق میں بحر عمان کے علاقے میں بھی ایک مرتبہ تشریف لے گئے تھے۔ اس کا امکان بھی ہے کہ آپ حبشہ تشریف لے گئے ہوں' اگرچہ اس کا بھی کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے۔ استنباط کے طور پر میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ وقتاً فوقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشی زبان کے الفاظ استعمال کئے تھے۔ یہ چیز لکھی ہوئی موجود ہے کہ جب حبشہ سے مہاجرین مکہ واپس تشریف لائے تو آپؐ نے ایک چھوٹی بچی سے جو وہیں پیدا ہوئی تھی اور حبشی زبان بولتی تھی' چند الفاظ حبشی زبان میں کہے تھے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب کوئی شخص کسی زمانے میں کسی ملک میں گیا ہو' اس لئے کہ باوجود مسافر ہونے کے بھی چند الفاظ اُس کے ذہن میں محفوظ رہ جاتے ہیں' جن کو وقتاً فوقتاً وہ استعمال کر سکتا ہے...... ایک اور تائیدی دلیل اس سے بھی ملتی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے 'نجاشی' کا انتخاب کیا کہ مکہ کے مصیبت زدہ مسلمان ترکِ وطن کرکے اس کے ملک میں جاکر پناہ گزین ہوں تو پہلے نجاشی کے

نام ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا : "میرا چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب آرہا ہے' دوسرے مسلمانوں کے ساتھ...... ان کی مہمان نوازی کر!!" - یہ جو ایک طرح کی 'INTIMACY' اور قریبی تعلقات کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں' یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب پہلے سے ملاقات رہی ہو۔ گویا کہ اِن چیزوں سے استنباط کیا جاسکتا ہے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم حبشہ جاچکے ہوں۔ جب اتنے ممالک کا آپؐ سفر کر چکے تھے تو کوئی تعجب نہیں کہ ہندوستان اور سندھ بھی آئے ہوں۔ تجارت کے سلسلے میں......

اس مختصر سی تمہید کے بعد وہ بات عرض کرنی ہے کہ حضور کی ملاقات سندھیوں سے کب اور کیسے ہوئی تھی؟؟۔ اولاً میں مشرقی عرب جانے کی بات کرتا ہوں اس لئے کہ وہیں سے آپؐ سندھیوں سے ملاقات کرسکتے ہیں یا سندھ جاسکتے ہیں۔ مُسند احمدؒ ابن حنبل حدیث کی مشہور کتاب ہے 'اور ابن حنبلؒ وہ شخص ہیں جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں 'انہوں نے اپنی مُسند میں دو صفحات کی ایک طویل حدیث میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ عبد القیس کے لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ آئے۔

رسولؐ اللہ نے ان سے مختلف چیزیں دریافت کیں۔ فلاں شہر کیا ابھی موجود ہے؟ فلاں سردار یا فلاں شخص کیا ابھی زندہ ہے؟ ان سوالات پر وہ لوگ حیرت زدہ ہوگئے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ! آپ ہمارے ملک اور ہمارے آدمیوں سے ہم سے بھی زیادہ واقف معلوم ہوتے ہیں! اس پر مسند احمد ابن حنبل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو جواب نقل ہوا ہے وہ یہ ہے :

"میں وہاں گیا ہوں' بہت دن تک اس سرزمین کو میرے پاؤں روندتے رہے ہیں' قلعہء مشقّل کی چابیاں میں نے حاصل کیں اور چشمہء زہرا پر بھی میں کھڑا ہوا" ...... یہ تمام مقامات مشقّل اور زہرا مشرقی عرب میں اب بھی موجود ہیں' جہاں آج کل پیٹرول کے چشمے بہہ رہے ہیں۔ مشرقی عرب میں آپ کیوں گئے تھے؟ اس کا ایک دوسری روایت سے ہمیں پتا چلے گا جو حدیث کی کتابوں میں نہیں بلکہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ابن حبیب ایک بڑا مشہور مؤرخ گزرا ہے' جس کی وفات ۲۴۵ ہجری میں ہوئی' اس کی کتاب "المحبّر" میں "عرب کے میلے" کے نام کا ایک باب موجود ہے۔ ان میلوں کے سلسلے میں جو ہر سال لگا کرتے تھے وہ بیان کرتا ہے کہ عرب کے مشرق میں 'دباء' نامی ایک مقام ہے (جو متحدہ عرب امارات میں حدیرہ نامی بندرگاہ کے شمال میں اب بھی موجود ہے) ...... 'دباء' میں سالانہ میلہ فلاں تاریخ کو ہوتا تھا' اُس میں فلاں فلاں قسم کا سامان فروخت کے لئے آتا تھا' اُس میں شرکت کرنے والے لوگ ہندی' سندھی' چینی' رومی' ایرانی' مشرق والے اور

مغرب والے ہوتے تھے۔ یہ الفاظ ہیں جو ترجمہ کر کے میں نے آپ کو سنائے اور اس میں سندھ کا لفظ صراحت کے ساتھ آتا ہے...... اس واسطے سے گمان کیا جا سکتا ہے کہ غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت لے کر اس بڑے میلے میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوں گے اور وہاں چینیوں سے اور سندھیوں سے اور دیگر لوگوں سے بھی ملے ہوں گے۔

وہ مشہور حدیث کہ ''علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے چاہے چین ہی جانا پڑے''...... غالباً اس کی وجہ یہی ہوگی کہ رسول اللہؐ نے 'دباء' کے بازار میں چینی تاجروں کے پاس اُن کا پیش کردہ سامان دیکھا ہوگا جن میں چینی ریشم اور دیگر سامان جو وہ لائے تھے آپ نے دیکھا ہوگا اور آپؐ متأثر ہوئے ہوں گے کہ اتنی اچھی صنعت ان کے ملک میں ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہوگا کہ ''علم سیکھو چاہے چین جیسے دور دراز کے ملک ہی کیوں نہ جانا پڑے''...... غالباً حضورؐ نے اُن سے پوچھا ہوگا کہ تم کتنی دور سے آئے ہو؟ چینیوں نے کہا ہوگا کہ ہم دو ماہ کی مسافت سے چل کر آئے ہیں......!

اسی واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع ملا تھا کہ سندھیوں کو دیکھیں۔ ممکن ہے کہ اور آگے جا کر سندھ میں تجارت کے لئے تشریف لے گئے ہوں۔

اسی تذکرہ میں ابھی آپ نے سنا کہ 'ہند' کا بھی ذکر ہے یعنی ہندوستانیوں کا بھی، جس کا بعد میں ایک اور حدیث میں ہمیں ثبوت ملتا ہے ایک دن بعض لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے دُور سے مدینہ آئے۔ سیدناؐ نے پوچھا...... ''یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانیوں کے سے نظر آتے ہیں''...... بعینہٖ یہی الفاظ ہیں جو حدیث میں موجود ہیں اور یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے ہندوستانیوں کو اور ہندوستانیوں کے لباس کو دیکھا ہو۔ یہ لوگ یمن کے ایک قبیلے کے لوگ تھے جو مسلمان ہونے کے لئے آئے تھے۔

گویا کہ ایک چیز جو میں سندھ کے سلسلے میں آپ سے عرض کرنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ سیرتِ محمدیؐ میں (بعثت نبویؐ سے پہلے) سندھ کا ذکر ملتا ہے۔

دوسری چیز جو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہر شخص کو کسی خاص پہلو سے آپؐ سے دلچسپی ہوتی ہے اور مجھے رسول اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ اور ڈپلومیسی سے دلچسپی رہی، اس پر میں نے کام کیا، کتابیں بھی شائع کیں اور علمی ڈگریاں بھی حاصل کیں...... (اس کے بعد جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنے اس خاص موضوع پر تفصیلاً گفتگو فرمائی)۔

مشاھدات وتأثرات

بے پردگی اور عریانی کی دوڑ میں ٹی وی کسی سے پیچھے نہیں!

لاہور میں پی ٹی وی کے دفاتر کے سامنے تنظیمِ اسلامی کا پُر امن احتجاجی مظاہرہ

لاہور میں پاکستان ٹیلی ویژن کے دفاتر کے سامنے تنظیم اسلامی کے پُر امن احتجاجی مظاہرے کی یہ رُوداد اوّلاً ہفت روزہ "ندا" میں شائع ہوئی تھی۔ مقبول الرحیم مفتی صاحب کی مرتب کردہ اس رُوداد میں چونکہ مظاہرے کی منظر کشی بہت عمدہ طریقے سے کی گئی ہے لہٰذا قارئین "میثاق" تک پہنچانے کی غرض سے اسے من وعن شائع کیا جارہا ہے۔ البتہ مظاہرے کے دَوران تقسیم کیا گیا "دوورقہ" اور تنظیم اسلامی کی طرف سے ٹیلی ویژن حکام تک پہنچائی جانے والی عرضداشت کے متن کو قارئین کی دلچسپی کے پیشِ نظر اضافی طور پر اس میں شامل کیا گیا ہے۔

(ادارہ)

سولہ اگست کی شام کو شملہ پہاڑی کے دامن میں واقع سادہ سی کشادہ مسجد میں غیر معمولی رونق نظر آرہی تھی حالانکہ عام طور پر یہاں نمازیوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ عصر کی اذان ہوچکی تھی اور جماعت میں چند منٹ باقی تھے جس کے انتظار میں تنظیم اسلامی کے رفقاء مسجد کے اندر اور صحن میں کھڑے دبی دبی آوازوں میں مصروفِ گفتگو تھے۔ آج وہ یہاں نماز عصر کے بعد قریب ہی واقع لاہور ٹیلیویژن سنٹر کے سامنے عریانی اور فحاشی کے خلاف خاموش مظاہرہ کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے تھے۔ گذشتہ تین ماہ کے دوران لاہور، کراچی اور راولپنڈی میں دو بڑے اردو روزناموں "جنگ" اور "نوائے وقت" کے دفاتر کے سامنے خاموش مظاہروں کے بعد اب تنظیم اسلامی کی یہ شائستہ احتجاجی مہم سرکاری ذرائع ابلاغ کا رخ کر کے ایک قدم آگے بڑھاتی دکھائی دیتی ہے۔ تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد اپنی انقلابی فکر کے تناظر میں ان مظاہروں کے لئے "نہی عن المنکر باللسان" کی خالص اور ٹھیٹھ دینی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی اس سلسلے میں ایک رہنما اصول کا کام دیتا ہے کہ "دین تو نام ہے نصیحت اور خیر خواہی کا"۔ اس طرح کے پرامن خاموش اور بے ضرر مظاہرے بلاشبہ ارباب اقتدار اور عوام دونوں کے حق میں نصیحت اور خیر خواہی کا انداز رکھتے ہیں۔ اب تک تنظیم اسلامی نے ان مظاہروں کے دوران جس نظم وضبط اور اخلاق وشرافت کا مظاہرہ کیا ہے وہ بلاشبہ دین کے اصولوں پر عمل کی ایک عمدہ مثال ہے۔ مگر ہمارے ملک میں ابھی اس طرز عمل

کو ایک انوکھی چیز تصور کیا جا رہا ہے۔

مغربی دنیا اور بالخصوص برطانیہ جن سے ہم نے تمدن ہی نہیں پارلیمانی جمہوریت اور انتخابات کا سبق بھی سیکھا' ان کے ہاں اس طرح کے پُرامن اور خاموش مظاہرے احتجاج اور اظہارِ رائے کا ایک مسلمہ اور مؤثر ذریعہ سمجھے جاتے ہیں اور وہاں کا پولیس چند افراد کے مظاہروں کو بھی پوری اہمیت دیتا ہے۔ مگر پاکستان کا پولیس غالباً بھی عالمِ حیرت میں مبتلا ہے کہ کسی ہنگامے' دھمکی' گالم گلوچ' گھیراؤ جلاؤ اور توڑ پھوڑ کے بغیر انہیں مظاہرے کیسے قرار دیا جائے۔ ان سے تو کوئی خبر بھی نہیں بنتی کیونکہ مظاہرین کوئی قابلِ دست اندازیٔ پولیس حرکت نہیں کرتے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ تنظیم اسلامی کے یہ منظم اور خاموش مظاہرے ابھی تک اہلِ صحافت کی نظر میں اس قابل نہیں کہ ان کی خبر اہلِ ملک تک پہنچائی جائے یا ایک مستحسن اور قابلِ تعریف اقدام کے طور پر ان کے حق میں کلمۂ خیر کہنے کے لئے اپنے ادارتی صفحات کو استعمال کیا جائے۔ اس کا ایک سبب تنظیم اسلامی کی یہ "بنیادی غلطی" بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے اس کارِ خیر کا آغاز ہی اخبارات کے خلاف مظاہروں سے کیا۔

نمازِ عصر میں اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہونے کے بعد تنظیم اسلامی کے تمام رفقاء منظم انداز میں قطاریں بنائے مسجد کے صحن میں کھڑے تھے' چند منٹ بعد انہیں بینر اٹھا کر سڑک پر نکلنا تھا۔ مگر اس سے پہلے ان کے امیر ڈاکٹر عبدالخالق انہیں ضروری ہدایات دے رہے تھے۔ چونکہ یہ کوئی پہلا مظاہرہ نہ تھا اور تمام رفقاء اب مظاہرے کے انداز اور مزاج سے بخوبی واقف ہو چکے تھے اس لئے ڈاکٹر عبدالخالق نے انتہائی مختصر طور پر یاد دہانی کے انداز میں کہا کہ مظاہرے کے دوران تمام رفقاء نظم کی مکمل پابندی کریں گے۔ مظاہرے کے دوران اپنی نگاہوں کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور زبان کو ذکر میں مشغول رکھیں۔ غالباً اس ہدایت میں یہ حکمت پوشیدہ تھی کہ نگاہیں بھی بھٹکنے سے محفوظ رہیں اور دل کا تار اپنے رب سے جڑا رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی آخری ہدایت یہ تھی کہ کسی فقرہ چست کرنے والے کا اور کسی آوازے کا جواب نہ دیں اور اگر کوئی سوال کیا جائے تو اسے وہاں موجود ذمہ دار افراد کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

حفاظتی امور کا اہتمام کرنے اور مظاہرے کے نظم کی دیکھ بھال کے لئے جواں سال مگر سنجیدہ اور کم گو عبدالرزاق کی قیادت میں سات ذمہ دار رفقاء کا گروپ پہلے مسجد کے دروازے پر پہنچا اور ان کے بعد قطاروں میں کھڑے رفقاء مسجد سے نکلتے ہوئے اپنے اپنے حصے کا بینر یا کتبے لے کر سڑک پر آنے لگے۔ نسبتاً عمر رسیدہ اور بزرگ حضرات کو بینر اٹھانے کی زحمت نہیں دی جا رہی تھی۔ اس طرح سڑک کے کنارے کلاس میں جاتے بچوں کی طرح ایک رویہ قطار میں چلتے ہوئے مظاہرین کی ترتیب کچھ یوں بن گئی تھی کہ ہر تین افراد میں سے ایک فرد بینر اٹھائے ہوئے تھا تو دو خالی ہاتھ تھے۔

کم و بیش ڈیڑھ سو مظاہرین اپنے بینروں اور کتبوں کے ساتھ تقریباً ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے ٹیلیویژن سنٹر کے سامنے پہنچے اور دو حصوں میں بٹ کر سڑک کے دونوں طرف خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔ کپڑے کے بڑے بینروں اور پلے کارڈز پر جو عبارتیں درج تھیں ان کا انداز اس جارحیت سے پاک تھا جو ایک طویل عرصے سے ہمارے سیاسی مزاج کا حصہ بن چکی ہے۔ کچھ پلے کارڈز پر قرآنی آیات کا ترجمہ بھی لکھا ہوا تھا اور کچھ پر دردمندانہ یاد دہانیاں تھیں۔ "خدا کے لئے ٹیلیویژن فحاشی اور عریانی بند کر دے۔ یہ اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے"۔ "ٹیلیویژن کا کردار تعلیمی اور تعمیری ہونا چاہیے' فحاشی و عریانی کی دوڑ میں کیا مہ

اپنا کردار فراموش نہیں کر چکا؟" ۔ "خدارا غور کریں کیا فحاشی اور بے حیائی کے بغیر تفریح ممکن نہیں؟" "بے پردگی اور بے حیائی کے فروغ سے غیرت کا جنازہ نکل جاتا ہے" ۔

مظاہرین کی نقل و حرکت یا سڑک کے کنارے ان کے کھڑے ہونے سے ٹریفک میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ البتہ بینروں کی عبارتیں پڑھنے کی کوشش میں ٹریفک کی رفتار فطری طور پر سست پڑ گئی۔ تنظیم کے چند رفقاء ایک دو ورقہ بھی تقسیم کر رہے تھے جس میں ٹیلی ویژن کارپوریشن اور حکومت پاکستان دونوں سے دلسوزی کے ساتھ اپیل کی گئی تھی کہ ٹی وی کی موجودہ روش اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے اس ملک کے نظریات و مقاصد کے بالکل برعکس رخ پر جا رہی ہے۔ اس دو ورقے کے آخری پیراگراف سے بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیاسی طرز کی مطالبہ بازی اور دردمندی کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی کے انداز میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اس دو ورقے کا مکمل متن سطور ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

ٹیلی ویژن کی انتظامیہ اور حکومت کے ذمہ دار افراد سے

تنظیمِ اسلامی کی اپیل

جس میں وطن عزیز کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت کی تائید شامل ہے

اللہ تعالےٰ نے اپنے فضلِ خاص سے ہمیں آزادی و خودمختاری کی نعمت سے نوازا اور پاکستان کی شکل میں زمین کا یہ ٹکڑا عطا کیا، لیکن ہمیں فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اس سے پہلے ہم نے اجتماعی طور پر ایک عہد کیا تھا اور اس کا اعلانِ عام بھی ہوا تھا۔ ہمارا وعدہ تھا کہ انگریز کی غلامی اور ہندو کی بالادستی سے گلوخلاصی پا کر ہم اپنے آپ کو اللہ کی بندگی میں دے دیں گے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر زندگی گزاریں گے اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کے لیے اپنے ملک کو روشنی کا مینار بنائیں گے۔ اسلام کے مثالی معاشرے کی تشکیل کریں گے تاکہ دو انتہاؤں کی ماری ہوئی اور افراط و تفریط کا شکار دنیا کے سامنے امن و سکون، عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کا ایک قابلِ تقلید نمونہ آ جائے۔ ہم اللہ کے آخری اور ابدی پیغامِ ہدایت کے امین ہیں جسے بنی نوع انسان تک پہنچانے کا حق تبھی ادا ہو سکتا ہے جب ہم خود اس پر عمل پیرا ہو کر اس کی برکات کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیں۔ یہی کارِ رسالت ہے جسے نبھاتے چلے جانے کی ذمہ داری نبوت کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد قیامت تک کے لیے امتِ مسلمہ پر عائد ہو گئی ہے۔

ہماری بدبختی کہ ہم اللہ کے ساتھ بدعہدی اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے۔ ہم نے قرار دادِ مقاصد پاس کر کے گویا کلمۂ شہادت تو پڑھا اور ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین میں اسلام کو ریاست کا مذہب قرار دے کر دین کی طرف پیش قدمی کی راہ بھی متعین کی، لیکن جیسے ہم اپنی انفرادی زندگیوں میں دین کی روح اور اسلام کے مزاج سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں، ویسے ہی ہماری قومی زندگی کا دھارا بھی روز بروز اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے سے جدا ہو رہا ہے۔ یوں ہم ایک بار پھر عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں جس کا ایک کوڑا سقوطِ ڈھاکہ کی شکل میں ہم پر پڑ چکا اور آثار بتاتے ہیں کہ ایک اور برسنے والا ہے۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر کریں؟ افسوس کہ بچاؤ کی فکر کرنے کی بجائے ہم اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے کے نئے سے نئے وطیرے اختیار کرتے ہیں جن میں سے ایک عریانی، بے حیائی اور فحاشی کا فروغ ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ہمیں اپنی اس روش کے مہلک اور تباہ کن ہونے کا احساس بھی نہیں رہا۔ اس کے خلاف بات کی جائے تو ہنسی میں اڑا دی جاتی ہے۔

ٹیلی ویژن جدید دنیا میں ابلاغِ عامہ کا مؤثر ترین ذریعہ ہے، جس کی تاثیر کو اپنے حق میں یا اپنے خلاف استعمال کرنے کا ہمیں اختیار ہے۔ اس اختیار کو ہمارا قومی ادارہ 'پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن' قوم کی تباہی میں لگانے کا فیصلہ کر لے تو دنیائے اسلام کی سب سے قیمتی متاع پاکستان کا خدا ہی حافظ ہے۔ ٹی وی نے اوّل روز ہی سے اسلامی تہذیب و تمدّن اور دینی اقدار کا عملی طور پر مذاق اڑایا ہے۔ برائے نام اور اوپرے سے "اسلامی پروگراموں" کا اثر زائل کرنے کو ڈراموں، انگریزی فلموں اور موسیقی کے دلوں میں اتر جانے والے پروگراموں کی کبھی کمی نہیں رہی، لیکن اب تو معاملہ سب حدود کو پھلانگتا نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسلمان قوم اور اس کی نوخیز نسل کو شرم و حیا اور عفت و عصمت کے بندھنوں سے آزاد کر لینے کا گویا تہیّہ کر لیا گیا ہے۔ نفسِ انسانی کو یہ مادر پدر آزادی مرغوب ہے۔ اس کی طرف رغبت کو بڑھانا بہت آسان اور اس سے طبیعت میں بیزاری پیدا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ یہ کام پہلے بھی مشکل تھا، آج بھی مشکل ہے اور ہمیشہ مشکل رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین تقویم پر پیدا فرمایا لیکن اس میں اسفل سافلین کے درجے تک گرتے چلے جانے کا رجحان بھی رکھ دیا۔ اسی رجحان کو زیر کرنے اور سفلی جذبات پر قابو پانے میں ہی وہ آزمائش ہے جس سے دنیا کی زندگی میں ہم دوچار ہیں اور جس میں کامیابی ہمیں ابدی راحت سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

ٹیلی ویژن اس آزمائش پر پورا اترنے میں مدد دینے کی بجائے ہمیں ناکامی ونامرادی کے غار میں دھکیل رہا ہے۔ قوم کے اخلاق اور اس کی تہذیبی قدروں کو ملیامیٹ کر دینے کے لیے ٹیلی ویژن سکرین کو صنفِ نازک کی نمائش گاہ اور جنس کا بازار بنا دیا گیا ہے۔ عریانی، بے حیائی اور فحاشی کے نشے کو اتنا عام کیا جا رہا ہے کہ طلب میں اضافہ روز افزوں ہے جسے پورا کرنے کے لیے رسد میں بھی برابر اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ طلب اور رسد کا یہ منحوس چکر مسلمانوں کو غارت کر کے چھوڑے گا، کیونکہ اسکی نحوست کا سایہ گھروں کی چار دیواری کے اندر بھی گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ ٹی وی ہمارے دل و دماغ میں جو نقب لگا رہا ہے اس سے بچاؤ کا کوئی وسیلہ دستیاب نہیں، سوائے اس کے کہ ہم حکومت اور ٹیلی ویژن کارپوریشن کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیں۔ چنانچہ ہم متعلقہ محکمے اور اس قومی ادارے کو پوری دردمندی اور دلسوزی سے مشورہ دیتے ہیں کہ وہ کسی اور سے نہیں، ان لوگوں سے ہی پوچھ دیکھیں جنہیں وہ اپنا خیر خواہ سمجھتے ہوں کہ ٹی وی کی موجودہ روش پاکستان کے مسلمانوں میں سے دین و مذہب اور اخلاق و شائستگی کا جنازہ نکالنے والی ہے یا نہیں؟

ہمیں یقین ہے کہ خود ٹی وی کے ذمہ داروں میں سے بھی کسی کلمہ گو کو اس بات سے انکار کی ہمت نہ ہوگی کہ ان کی طرف سے پیش کئے جانے والے ڈرامے اور رقص و موسیقی پر مشتمل یا ان کی آمیزش سے تیار کئے جانے ولسلے پروگرام قوم کی دین سے وابستگی اور اخلاقی حس کا جنازہ نکال رہے ہیں۔ تو پھر کیوں انہیں اپنی موت یاد نہیں آتی، اس وقت کا خیال نہیں آتا جب وہ اپنا دفترِ عمل لے کر اللہ کے سامنے حساب کتاب کے لیے حاضر ہونگے؟ ہماری درخواست ہے، مطالبہ ہے اور اصرار ہے کہ ٹی وی اپنا چلن درست کر لے اور مسلمانوں کی سوئی ہوئی غیرت کو جگانے کا سامان نہ کرے۔ یاد رکھیئے کہ دینی غیرت و حمیت کی آگ دب گئی ہے، بجھی نہیں۔ آپ یونہی پھونکیں مارتے رہے تو یہ چنگاری بھڑک اٹھے گی اور اس دفترِ بے معنی کو بھسم کر کے چھوڑے گی۔ وہ وقت آنے سے پہلے اپنے رویئے کی اصلاح کہلے تو یہی پاکستان ٹیلی ویژن کے حق میں بہتر ہے۔

حسن اتفاق یا سوء اتفاق تھا کہ عین مظاہرے کے وقت "نیلام گھر" کی ریکارڈنگ میں شرکت کے لئے آنے والے مرد اور خواتین حضرات کی بڑی تعداد بھی گیٹ پر جمع تھی۔ زرق برق لباسوں میں ملبوس ماڈرن گھرانوں کی نوخیز بچیوں اور خواتین کی اچھی خاصی تعداد بھی بڑے سکون سے قطار بنا کر اندر داخل ہونے کے لئے اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی کیونکہ گیٹ کے محافظ پوری چھان بین کے بعد ایک ایک فرد کو اندر داخل

ہونے کی اجازت دے رہے تھے۔ نیلام گھر کے ان شرکاء میں سے مردوں کے ہاتھوں میں تو وہ ورقہ دکھائی دے ہی رہا تھا ایک سفید ریش بزرگ نے ہمت کر کے اسے خواتین تک بھی پہنچا دیا۔

تنظیم اسلامی کے یہ باریش مظاہرین جن کی اکثریت پڑھے لکھے نوجوانوں 'انجینئروں' ڈاکٹروں اور اساتذہ پر مشتمل تھی تقریباً آدھ گھنٹہ پورے سکون اور دلجمعی کے ساتھ بینر لئے ٹیلیویژن سنٹر کے سامنے کھڑے رہے۔ نماز مغرب سے پندرہ منٹ قبل ڈاکٹر عبد الخالق نے مظاہرین کو واپس روانہ ہونے کا حکم دیا اور اللہ کے یہ بندے اپنے امیر کا اشارہ پاتے ہی منظم انداز سے ایک قطار میں چلتے ہوئے اسی مسجد میں آجمع ہوئے جہاں سے نماز عصر کے بعد روانہ ہوئے تھے۔ مسجد کے صحن میں رفقاء کے جمع ہونے کے بعد ڈاکٹر عبد الخالق نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دئے۔ اللہ کے یہ بندے اس کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس نے انہیں کسی فتنے اور آزمائش سے دوچار کئے بغیر نہی عن المنکر کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھنے کی سعادت بخشی۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد یہ سب لوگ پر سکون چہروں اور مطمئن دلوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کا رخ کر رہے تھے۔

نصح و خیر خواہی پر مبنی عرضداشت

مظاہرے کے دوران ٹیلی ویژن سنٹر کی انتظامیہ کو تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ کی طرف سے ایک عرضداشت بھی پیش کی گئی تھی۔ سطور ذیل میں اس عرضداشت کا پورا متن درج کیا جا رہا ہے۔

مکرمی جناب جنرل منیجر پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن لاہور

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

تنظیم اسلامی پاکستان کے رفقاء و احباب پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن کے اربابِ بست و کشاد کی توجہ پاکستان ٹی وی کے اس روز افزوں منفی رجحان کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں بے پردگی 'عریانی اور فحاشی کا ایک سیلابِ بلاخیز امڈتا چلا آ رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ یہ اپنے اندر قوم کی شرم و حیا اور اخلاقی اقدار کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ پاکستان ٹیلی ویژن کی گھٹی میں اسلامی تہذیب و تمدن سے بیزاری اور اقوامِ مغرب کی نقالی میں مادر پدر آزادی کے جراثیم روز اوّل ہی سے ڈال دیئے گئے تھے اور یہ قومی ذریعۂ ابلاغ بے پردگی و فحاشی کی ترویج 'مغرب کی مخلوط طرز معاشرت کے فروغ اور شرم و حیا اور ستر و حجاب کی اسلامی تعلیمات کا عملی طور پر مذاق اڑانے میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ لیکن اب معاملہ جس طرح تمام حدود و قیود کو پھلانگتا چلا جا رہا ہے 'اس پر ہر دردمند اور باشعور پاکستانی کو گہری تشویش ہے۔ ٹی وی پر پیش کئے جانے والے ڈرامے 'انگریزی فلمیں 'رقص و سرود کی محفلیں اور اسی قماش کے دیگر مخرب اخلاق پروگرام دینی اقدار اور اخلاق و شائستگی کا جس طرح جنازہ نکال رہے ہیں اس سے صورت حال انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتی چلی جا رہی ہے 'ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی قوم اور بالخصوص اس کی نوخیز نسل کو شرم و حیا اور عفت و عصمت کے بندھنوں سے آزاد کرانے کا تہیہ کر لیا گیا ہے۔

ٹیلی ویژن جدید دنیا میں ذرائع ابلاغ کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے' جس کی تاثیر کو ملک و ملت کے مفاد میں یا اس کے خلاف استعمال کرنے کا اختیار آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے۔ چنانچہ ہم آپ سے دردمندانہ گزارش کرتے ہیں کہ اس اختیار کو معاشرہ کی اخلاقی بنیادوں کو منہدم کرنے میں استعمال نہ کیجئے' بلکہ اسے قوم کی تعمیر سیرت اور اصلاح احوال کے لئے لگایئے!

ہمیں یقین ہے کہ آپ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ مملکت خداداد پاکستان کا معاملہ دنیا کے دوسرے مسلمان ممالک سے بہت مختلف ہے۔ اس ملک کے لئے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا' بقاء و استحکام کی واحد بنیاد صرف اور صرف اسلام ہے۔ لہٰذا یہاں اسلام کے خلاف اٹھایا گیا ہر قدم دراصل اس ملک کی جڑیں کھودنے کا باعث بنتا ہے۔

یاد رکھئے کہ ہم میں سے ہر ایک کو موت سے سابقہ پیش آنا ہے اور روز محشر اپنا دفترِ عمل لے کر اللہ جلّ جلالہ کے سامنے حساب کتاب کے لئے حاضر ہونا ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ مسلمان قوم کو اخلاقی آوارگی اور جنسی بے راہروی کی راہ دکھانے والے اُس روز اپنے مالک حقیقی کے سامنے کس منہ سے حاضر ہوں گے؟

ہم توقع کرتے ہیں کہ آپ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ٹی وی کا چلن درست کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سلسلہ میں مثبت پیش قدمی سے یقیناً آپ کی عزت و توقیر میں اضافہ ہو گا اور آپ محاسبۂ اخروی میں بھی سرخرو ہو سکیں گے!

بقیہ: الہدیٰ

عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ "ہاں اللہ کا احسان مانو اپنے اوپر کہ اس نے تمہیں اسلام کی توفیق دی اور تم ایمان لے آئے ہو تو گویا کہ ایمان کی شاہراہ پر پڑ گئے ہو۔ اب ایمانِ حقیقی کی منزل تک بھی رسائی کی توقع کر سکتے ہو۔ اور دیکھو آسمان اور زمین کی ہر چھپی چیز بھی اللہ کے سامنے ہے...... اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے' لہٰذا جتلانے اور بار بار کہنے کی حاجت نہیں ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ کس کے دل میں کتنا ایمان ہے اور کتنا نہیں ہے۔ بہرحال اسلامی معاشرے اور ریاست کی شہریت تمہیں حاصل ہو گئی' تم نے کلمہء شہادت زبان سے ادا کیا اب ارکانِ اسلام کی پابندی کرو' تم مسلمان تسلیم کئے جاؤ گے اور تمہارے حقوق جو ہیں دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے وہ محفوظ رہیں گے۔ لیکن اگر جاننا چاہو کہ وہ مقامِ مطلوب کیا ہے' ایمان کی اصل حقیقت کیا ہے تو اس معیار کو ذہن میں رکھو کہ یقینِ قلبی اور مجاہدۂ مسلسل ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ!

"میرے حلقۂ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں"

چوتھی تربیت گاہ برائے مبتدی رفقاء کی ایک منفرد انداز کی رپورٹ

(مرتب : ھمایوں ارشد)

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

وہ بھی اس شبستان وجود کو لرزا دینے والی سحر تھی کہ اچانک میاں نعیم صاحب نے مجھے خوابِ غفلت سے بیداری کا اِذن دیا۔ دیدۂ ظاہری کے لئے اس میں کوئی بات لائق التفات نہ تھی، لیکن میری نگاہیں میرے مرشدِ معنوی کے عطا کردہ نور سے اس "عالمِ نو" کی سحر "بے حجابانہ" دیکھ رہی تھیں کہ جس کے چہرۂ افکار کی حشر سامانیوں اور سحر خیز نواؤں سے عالمِ فرنگ لرزاں ہے۔

یہ شب بیداری اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جو صدیوں پر محیط امتِ مسلمہ کے تاریک دور کو گریزاں کرنے اور خواب غفلت میں پڑی اس قوم کو بیدار کرنے کے لئے ہر دور میں جاری رہی۔ ہماری تاریخ جذبۂ حُریّت سے سرشار اور اپنا تن من دھن راہ خدا میں قربان کر دینے کے نشے میں ڈوبے ہوئے دیوانوں سے بھری پڑی ہے۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی نوید لے کر، مبتدی رفقاء کے انفاسِ سوختہ کی دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلۂ جوالہ بنانے اور سلیقۂ شہبازی سکھانے کے لئے ہماری تربیت گاہ کے پہلے دن کا آغاز نماز تہجد سے ہوا۔

تربیت گاہ کا پہلا دور نماز اشراق پر ختم ہوا، جس میں نماز فجر تکبیر اولیٰ کی ترغیب کے ساتھ، تلاوتِ قرآن پاک، قراءت و ترتیل کی تشویق کے ساتھ، ادعیۂ ماثورہ اور اذکار مسنونہ عشق و اتباع کے سوز و گداز کے ساتھ شامل تھے۔

بقیہ دن کی مصروفیات میں چھ دروس کا اہتمام تھا، جن میں سے چار نماز ظہر سے پہلے اور دو نمازِ عصر اور عشاء کے درمیان تھے۔ نماز ظہر کے بعد آرام کا وقفہ تھا۔ امیر محترم کے روزانہ دو خطابات آڈیو اور وڈیو کے ذریعے دیئے جاتے تھے، جن کے موضوعات مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) تنظیمِ اسلامی کا تعارف اور اسلام کا انقلابی منشور۔
(۲) حقیقت جہاد۔
(۳) قُربِ الٰہی بذریعہ فرائض و نوافل۔

(۴) پاکستان میں اسلامی انقلاب...... کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟۔
(۵) تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے اوصاف۔

اس کے علاوہ راہ نجات، مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق، باطنی امراض اور ان کا علاج، تنظیم اسلامی کی ہیئت ترکیبی، فرائض دینی کا جامع تصور، امیر تنظیم اسلامی کا سوانحی خاکہ اور خانگی حالات، تنظیم اسلامی کے قیام کا مقصد اور دوسری دینی جماعتوں سے مابہ الامتیاز اور اصول قراءت وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر نہایت جامع دروس کا انتظام تھا۔

اس کے لئے جن حضرات کی خدمات حاصل کی گئی تھیں ان میں غلام محمد صاحب، ڈاکٹر عبدالخالق صاحب، محمد غوری صدیقی صاحب، محمد اقبال صاحب، میاں نعیم صاحب اور حافظ خالد صاحب کے نام شامل ہیں۔ ان تمام حضرات نے جس قدر محنت اور عرق ریزی سے ان موضوعات کی باریکیاں سمجھائیں وہ بہت متاثر کن تھیں۔ اور میرا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوا کہ امیر محترم نے ان جیسے بے شمار افراد کو مختلف شعبہ ہائے زندگی سے چنا ہے اور اپنی شخصیت کے قالب میں ڈھال رہے ہیں۔
اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس سفر کو جاری رکھتے ہوئے اُس مضبوط "NUCLEUS" کی تیاری میں اپنی توانائیاں نچوڑ دیں جو کہ انقلابی جدوجہد میں اساس کی اہمیت رکھتا ہے۔

اس تربیت گاہ میں شرکاء کو کیا پیغام ملا اور جہدِ عمل کو کیا جلا ملی، ان سب موضوعات کا احاطہ تو مشکل ہے، تاہم چند سنگ ہائے میل کے ذریعے منزل مقصود کا فاصلہ ضرور متعین کرنے کی کوشش کروں گا۔

"قوم کے نام پیغام بعنوانِ اشعارِ اقبال"

ع حافظِ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں

اسلام کے سماجی نظام کا یہ انقلابی پہلو، تہذیب حاضر سے خیرہ نگاہوں کو سحرِ باطل سے نجات دلانے کے لئے آب حیات ہے۔ یہ عریاں و برہنہ تہذیبِ حاضر جس نے ماؤں کو نام نہاد معیار زندگی کے کولہو میں جوت رکھا ہے اور آرٹ و کلچر کی ہوس ناکی کا شکم بھرنے کے لئے تہی آغوش کر دیا ہے۔ وہ محفلوں کے لئے شمعِ فروزاں تو بن سکتی ہیں، لیکن زہر قاتل سے مسموم یخ بستہ ہواؤں سے معصوم کونپلوں کو آغوشِ تحفظ عطا نہیں کر سکتیں۔ تربیت گاہ ہمارے لئے یہ نوید جانفزا لائی کہ "اے مومن محرومِ یقین اٹھ کہ اب وقت ہے کہ اپنے عملی نمونوں سے ثابت کر دیا جائے کہ زنِ حافظِ عصمت و عفت کی زرخیز گود ہی میں وہ نسلِ حیات افزا پروان چڑھ سکتی ہے، جو قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کر سکے۔

؎ اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

معاشی انقلاب کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے ہمیں بتایا گیا ہے کہ "بنی نوع انساں کا قافلہ صفحہء ہستی پر ابھی چند گام ہی چل پایا تھا کہ اس کی رگوں سے خون چوسنے کے لئے سودی نظام کی سفاک امربیل نے اپنا جال پھیلا دیا اور دیمک کی طرح چاٹتی ہوئی آڑھت اور جاگیرداری نے اپنے پنجے گاڑ دیئے۔ اس طاغوتی نظام کے درودیوار ہلا دینے والا اسلام کا معاشی نظام جہاں غریبوں اور مزدوروں کو نغمہء نوبہار عطا فرماتا ہے' وہیں اُمراء کو بھی یہ احساس دلاتا ہے کہ یہی وہ نظام ہے جو امیر و غریب کے درمیان بھائی چارے کی فضا پیدا کر کے غریب کو امیر کا حفیظ اور نگہبان بناتا ہے۔ یہی وہ نظامِ عدل و قسط ہے جو انسان کو اس خونی دلدل میں ڈوبنے سے بچاتا ہے کہ جس کے چھینٹوں سے اشتراکیت اور سرمایہ داری کا دامن تربہ تر ہے"۔

کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بےنیام
ہے جہاد اس دور میں مردِ مسلماں پر حرام

شمشیر و سناں کے سائے میں پروان چڑھنے والی وہ اُمّت کہ جس کے سیلِ رواں کے سامنے عرب و عجم کے ناقابلِ تسخیر قلعے ریت کے گھروندے ثابت ہوئے' جن کی ٹھوکروں سے صحرا و دریا پامال ہوئے' جن کے فلک شگاف نعرۂ توحید سے وسعتِ افلاک میں ہیجان اور طوفان برپا تھا' آج وہ اُمّت بے نیزہ و شمشیر ہے اور یہود و نصاریٰ کی سیاسی اور اقتصادی غلامی کی زنجیروں سے جکڑی ہوئی ہے اور اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ اُنہی کی تہذیب و اقدار کی رسیا اور اسیر ہے۔

وہ مسلمان جس کے لہو کی تپش آتش فشاں کے مانند تھی کہ محض ایک عورت کی فریاد پر ان کی غیرت و حمیّت کے طوفان نے ہند کے بت کدوں کو لرزا دیا تھا۔ آج اُسی مسلمان کا خون اسی کی بے جان شریانوں میں اس طرح منجمد ہو چکا ہے کہ قوم کی ان گنت ماؤں اور بہنوں کے تار تار دامنِ عصمت اس کی غیرت و مردانگی کی دہائی دیتے رہتے ہیں لیکن اس کے تنِ مردہ میں کوئی ہیجان برپا نہیں ہوتا۔

ہمیں تربیت گاہ میں حقیقتِ جہاد کے اسرار و رموز سے آگاہ کیا گیا۔ اس کی لامتناہی گہرائی کا شعور بخشا گیا۔ اس کی حقیقی وسعتوں سے باخبر کیا گیا۔ جذبہء جہاد کے پیرہن سے جسد و روح کو آراستہ کرنے کا جذبہ و شوق پیدا کیا گیا۔

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
تھا جو 'ناخوب' بتدریج وہی 'خوب' ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

یہ قرآن وہی صحیفہء رشد و ہدایت ہے کہ جس نے ریگزارِ عرب کے خوابیدہ ذروں کو وہ تابانی و درخشانی عطا فرمائی کہ تاریخِ انسان آج تک علم و عمل' رشد و ہدایت' اور ایمان و صفا کے وہ نمونے پیش

کرنے سے قاصر ہے۔ یہی وہ شمشیر بے زنہار ہے کہ جس کی ضربِ کاری سے طاغوتی قوتیں تھرّا اٹھیں تھیں' باطل لرزہ براندام تھا۔ یہاں تک کہ ظلمتوں کے پروردہ چلا اٹھے کہ جب تک یہ کتاب موجود ہے ہمیں امن وچین نصیب نہیں ہو سکتا۔

لیکن آج خود مسلمان ہی اس قرآن کی عظمت سے ناآشنا اور اس کے حقوق سے بیگانہ ہے۔ ہمیں اس تربیت گاہ میں قرآن مجید کے حقوق کے سلسلے میں اس کی تصحیح تلاوت کی ترغیب دلائی گئی' اس کا فہم حاصل کرنے کا شوق دلایا گیا اور اس کا پیغام لے کر مردانہ وار چہار دانگ عالم میں پھیل جانے پر کمربستہ کیا گیا۔

ے بانشہء درویشی درساز و دمادم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن!

جہاں جوش وولولے کی ترغیب اور چیتے کے جگر اور شاہین کے تجسّس کی تشویق لہو گرمانے کا بہانہ بنتی رہی' وہاں جوئے اشکِ خوں اور داغ ہائے دل بھی دکھائے گئے جو تنظیم کی مہم عصر تحاریک کے ناپختہ اقدامات کا ثمر تھے۔ اس بات پر خاص طور پر زور دیا گیا کہ ہر لحظہ اور ہر لمحہ رضائے الٰہی کو اپنی سعی وجہد وجہد کا مرکز بنایا جائے۔ اور کبھی کسی ثانوی مقصد کو بنیادی مقصد پر فوقیت نہ دی جائے۔ اور ثانیاً یہ کہ جہاد کے مراحل میں صبرِ محض (PASSIVE RESISTANCE) نہایت اہم حصہ ہے۔ یہی وہ بھٹی ہے جس نے صحابہ کرامؓ کو کندن بنا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ گوہر گراں مایہ جانثار عطا فرمائے جن کی نظیر دنیا نے پھر کسی دور میں نہ دیکھی۔

حرف آخر......

مجھے امید ہے کہ اگر ہمہ وقت رفعت وبلندی پر نگاہ رکھی گئی تو یہ تربیتی نظام بہتر سے بہتر ہوتا جائے گا اور انشاء اللہ جلد وہ وقت آئے گا کہ جب یہاں سے وہ شاہکار تربیت پا کر نکلیں گے کہ جن کو مستقبل کا مؤرخ شب کے راہب اور دن کے شہسوار کے لقب سے یاد کرے گا۔ ے

مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR. STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

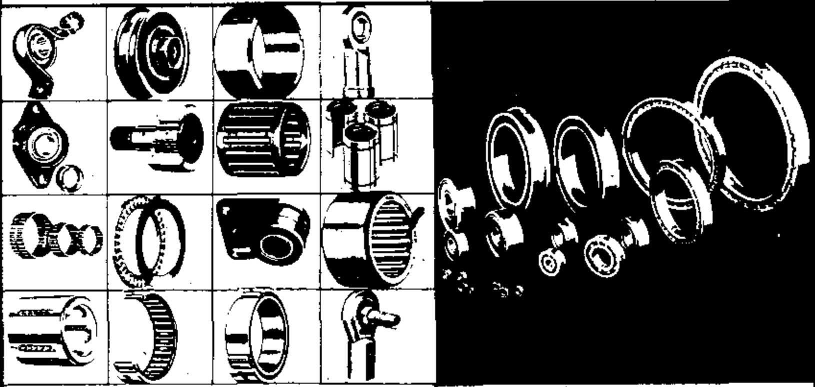

PRODUCTS

DISTRIBUTOR

RCD KBC EZO

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

STOCKIST

TR NACHI Koyo NSK SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

افکار و آراء

آپ افغان مجاہدین پر اور پاکستان پر برہم کیوں ہیں؟

ایران کے اہلِ اقتدار سے ایک سوال

مکتبہ کارواں کے چودھری عبدالحمید صاحب صحافتی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ قومی و سیاسی مسائل پر ان کے تجزیے گاہے بگاہے روزنامہ "نوائے وقت" کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ چودھری صاحب کا زیرِ نظر مضمون ہفت روزہ "زندگی" میں شائع ہوا تھا۔ ان کی رائے سے کوئی اختلاف کرنا چاہے تو اُسے یہ حق حاصل ہے، لیکن ملتِ اسلامیہ کو درپیش جس مسئلے پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے اس کی اہمیت اور نزاکت سے انکار ممکن نہیں۔ (ادارہ)

ایرانی انقلاب کے ابتدائی ایام میں ایک بڑی اہم خبر بڑے ہی غیر اہم انداز میں سنگل کالم میں شائع ہوئی۔ خبر یہ تھی کہ ایران اور روس کے مابین باہمی آمدورفت (میوچئل ٹرانسپورٹ) کا معاہدہ طے پا گیا ہے۔ یہ فیصلہ علامہ خمینی کی رضا اور رغبت کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ ایران ابھی اپنی داخلی کشمکش کے زخموں سے چُور تھا اور اپنے ہمسایہ گرگ کو دعوتِ رفاقت دے رہا تھا۔ اتنی جلدی اتنا اہم فیصلہ محض امریکہ کو چڑانے کے لئے نہیں کیا گیا تھا' اس میں یقیناً قلبی لگاؤ اور ذہنی جھکاؤ کا عنصر بھی موجود تھا۔ اس کے بعد ۱۹۸۷ء میں جب ابھی ایران عراق جنگ جاری تھی' خبر آئی کہ روس ایک معاہدے کے مطابق ایرانی صوبہ خوزستان (جہاں سے تیل نکلتا ہے) سے شمالی علاقوں تک ریلوے لائن بچھائے گا جو آگے چل کر روسی ریلوے سے مل جائے گی۔ نیز اسی صوبے سے تیل کی پائپ لائن بھی بچھائی جائے گی جس کے ذریعے ایرانی تیل روس بھیجا جائے گا۔

وقت گزرتا گیا اور ایران کے تعلقات دونوں سپر پاورز کے ساتھ مختلف سمتوں میں ترقی کرتے گئے۔ ایرانی زعماء جہاں امریکہ کو شیطانِ کبیر گردانتے تھے' وہاں حساب برابر کرنے کے لئے روس کو بھی کوسنے سنا دیتے تھے' لیکن طعن و تشنیع کا یہ انداز ذرا دھیما ہوتا تھا۔ بین الاقوامی سطح پر اشتراکی ممالک اکثر و بیشتر ایران کی حمایت کرتے تھے۔ بالخصوص روس کے حلیف سوشلزم کے گرویدہ مسلمان ممالک

اس میں پیش پیش تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ پاکستان کے شدید ترین مخالف ایران کے قریبی دوست تھے۔ علامہ خمینی شہنشاہ کے خلاف اپنی کامیاب مہم سے فارغ ہوئے تو انہوں نے پاکستان، ترکی اور سعودی عرب کے خلاف فتویٰ دے کر حکم دیا کہ ان ممالک کی حکومتوں کا تختہ الٹ دیا جائے۔ پاکستان سے تو وہ کچھ زیادہ ہی خفا تھے اور اگر عراق ان کا راستہ نہ بدل دیتا تو ان کا پہلا ہدف پاکستان ہی تھا۔ وہ بھارت کو اپنا دوست اور پاکستان کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں ذرا ایک واقعہ بھی سن لیجئے:

ایرانی انقلاب کی کامیابی کے بعد ایرانی زعماء کا ایک اعلیٰ سطح کا وفد پاکستان آیا۔ اس وفد میں ایرانی سفیر محترم گنجی دوست کے علاوہ آیت اللہ کے درجے کے چند اور بزرگ بھی موجود تھے۔ یہ وفد جمعے کے روز مسجد شہداء میں وارد ہوا اور انہوں نے اسی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ نماز کے بعد ان کی تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس مسجد سے ایرانی انقلاب کی تائید ہوئی تھی، لہٰذا ہم اسی مسجد سے اہل پاکستان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے پاکستان کا دورہ شروع کر رہے ہیں۔ میں نے سوال کرنا چاہا تو امام صاحب نے منع کر دیا لیکن جب سامعین کی طرف سے پیہم مطالبہ کیا گیا تو سوال کرنے کی اجازت مل گئی۔ اتفاقاً میں صفِ اول میں مائیک کے قریب بیٹھا تھا۔ چنانچہ میں نے ہی سوال کر دیا۔ میں نے اردو میں بات شروع کی تو محترم مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے جو بطور ترجمان اس وفد کے ساتھ منسلک تھے، مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو فارسی سمجھتے ہیں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ میری بات سامعین بھی سمجھ لیں اور فاضلِ محترم حسبِ سابق ایرانی وفد کے لئے اس کا ترجمہ کر دیں۔ اب مجھے فارسی میں تقریر کر کے اس کا ترجمہ بھی خود ہی کرنا پڑا۔ میں نے تمہید کے طور پر ایرانی وفد کا خیر مقدم کیا اور بالخصوص ان کے اس اقدام کی توصیف کی کہ انہوں نے ایک سُنّی امام کی اقتداء میں ہمارے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی۔ اس کے بعد میں نے سوال کیا: "آپ کے بعض سینیئر سیاست دان پاکستان کے بارے میں معاندانہ جذبات رکھتے ہیں اور اس بارے میں اتنے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ بھارت کو پاکستان پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟" سفیر صاحب نے فرمایا کہ ایسے لوگوں سے ہم بھی بیزار ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ بیزاری کی یہ کیسی علامت ہے کہ ایک شخص ایک روز اپنے اخبار میں یہ مضمون لکھتا ہے کہ "پاک بھارت جنگ کی صورت میں ہم بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان کے خلاف لڑیں گے" اس سے دوسرے روز اسی شخص کو وزیر اعظم کے منصبِ جلیلہ پر فائز کر دیا جاتا ہے؟" میری مراد ایران کے وزیر اعظم موسوی سے تھی۔ میں نے عرض کیا: "ہم تو آپ کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں لیکن آپ بیگانہ وشی کرتے ہوئے کفار کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں۔ اخوت اور رفاقت کی یہ کونسی قسم ہے؟ ہم آپ کے معتدل مزاج لیڈر بنی صدر کو پسند کرتے ہیں، لیکن آپ کے وزیر اعظم موسوی کے خلاف میں اسی مسجد میں اظہارِ نفرت کا ایک ریزولیوشن پیش کرتا ہوں۔" ریزولیوشن پیش کیا گیا اور مسجد میں تمام حاضرین نے ہاتھ اٹھا کر بڑے جوش و خروش سے اس کی تائید کی۔ میں نے دیکھا کہ اس قرارداد کی منظوری سے ان سب کے رنگ متغیر ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد یہ وفد جو پورے پاکستان کا دورہ کرنے آیا تھا، صرف

کرشن نگر کی شیعہ مسجد تک گیا اور اپنے دورے کا بقیہ پروگرام منسوخ کر کے واپس ایران چلا گیا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے' ایران آج بھی بھارت کو پاکستان پر ترجیح دیتا ہے اور بھارت' کشمیر اور پاکستان میں ایران کو اپنا قبلہء سیاست ماننے والوں کی غالب اکثریت اسی پارٹی کا ساتھ دیتی ہے جو ہماری ثقافت اور روایات کا ستیاناس کرنے پر تلی ہوئی ہو اور جو ہمارے اسلامی تشخص سے برسرپیکار ہو۔

جہاں تک روسیوں اور ان کے اشتراکی گماشتوں کے خلاف افغان مجاہدین کی جنگِ آزادی کا تعلق ہے' ایران میں مقیم ہزارہ جات کے مہاجرین نے اس میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا اور اگر لیا ہے تو برائے نام! اس لئے کہ ایران روس کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا' بلکہ وہ اس سے اپنی لاتعلقی کی قیمت بھی وصول کرنا چاہتا تھا۔ ایسی خبریں بھی آتی رہیں کہ ہزارہ جات کے مہاجر نجیب حکومت سے تعاون کر رہے ہیں۔ کابل میں متعین ایرانی سفیر اور ان کا عملہ جو سابقہ دور میں لئے دیئے سا رہتا تھا' اب نجیب حکومت کی دعوتوں میں شریک ہوتا ہے اور وہاں کے سوشل معاملات میں حصہ لیتا ہے۔ ہمارے اخبارات ان خبروں سے مصلحتاً چشم پوشی کرتے ہیں' لیکن اب مصلحت آمیز خاموشی کا وقت گزر چکا ہے اور ضروری ہو گیا ہے کہ اہل وطن کو اپنے "دوستوں" کی روباہی سیاست سے آگاہ کر دیا جائے۔ مبادا ہماری یہ "مروت" کسی بہت بڑے حادثے کا باعث بن جائے۔ اربابِ اقتدار سے میری گزارش ہے کہ گاندھی جیسی نمائشی دوستی کے فریب میں نہ آئیں۔ قائداعظم کی طرح کھل کر صاف بات کریں۔

ایرانی مجلس کے صدر جناب رفسنجانی جو اپنے ملک کے سالارِ اعلیٰ بھی ہیں' روس کے ساتھ مضبوط تر روابط قائم کرنے کے لئے متعدد خفیہ اور علانیہ معاہدوں پر دستخط کر چکے ہیں۔ ان میں افغانستان کا مسئلہ اہم ترین ہے۔ ایران اپنے ہشت جماعتی شیعہ کارڈ کے زور پر اپنے حصے کا "گوشت" طلب کر رہا ہے۔ یہ ہشت جماعتی اتحاد دراصل ہفت جماعتی اتحاد کے نہلے پر دہلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ورنہ یہ صرف ایک ہی گروہ ہے جس کا لیڈر خلیلی نامی ایک شخص ہے' دوسرے گروہ کو جو غالباً سنّیوں پر مشتمل تھا' ایرانیوں نے ملک بدر کر دیا تھا۔ ایرانی مہاجرین کے مطالبات کی سابقہ تاریخ سے تائید نہیں ہوتی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ ماقبل جنگ کے افغانستان میں کوئی شیعہ کسی محکمے یا وزارت میں ڈائریکٹر (رئیس) کے عہدے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ایران کے سنّیوں کا حال بدستور خراب ہے۔ انہیں تہران میں مسجد بنانے کی بھی اجازت نہیں۔ بدلے ہوئے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران اب مضطرب پانیوں میں مچھلیاں پکڑنے کے لئے بے چین ہے۔ چنانچہ ایران میں مقیم شیعہ مہاجرین نے افغانستان کی آئندہ حکومت میں ۲۵ فیصد حصہ طلب کر لیا ہے جو تناسب آبادی کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے۔ مغربی جرمنی کے ہفت روزہ اخبار "سپیگل" کے مطابق "یہ لوگ ایرانی انٹیلی جنس سے ہدایات لیتے ہیں جو اپنے روسی دوستوں کو ہر قیمت پر خوش کرنا چاہتی ہے" ....
ایرانی مہاجرین کے لیڈر خلیلی کا کہنا ہے کہ اسے پاکستانی زعماء کی بات ماننے کے بجائے کابل میں متعین

روسی سفیر سے بات کرنے کا حکم ہے۔ (بحوالہ فرنٹیئر پوسٹ) روس نے تو "حلوائی کی دکان اور دادا جی کی فاتحہ" کے محاورے پر عمل کرتے ہوئے ایران کو یہ پیشکش بھی کر دی ہے کہ افغانستان میں جنگ بندی کے عوض ہزارہ جات میں ایک خود مختار شیعہ حکومت قائم کر دی جائے گی۔ حالانکہ تعلقات میں بہتری پیدا کرنے کا اولین تقاضا تو یہ تھا کہ روس 'ایران کو اس کا محروسہ علاقہ آذر بائیجان واپس کر دیتا۔ یاد رہے کہ آذر بائیجان کا علاقہ تقریباً آدھا آدھا روس اور ایران کے قبضے میں ہے۔ چنانچہ اسی نسبتِ خاص کی وجہ سے جناب رفسنجانی نے اپنے دورۂ روس کے موقع پر ایک روز آذر بائیجان کے دورے کے لئے بھی نکال لیا۔ روسی پیشکش کا مطلب یہ ہے کہ افغانستان کے عین قلب میں ایران کا تیر پیوست رہے گا۔

بعض لوگ روسی قیادت کو اس بات کی داد دیتے ہیں کہ اس نے افغانستان سے اپنی فوج واپس بلا کر امن پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ خیال درست نہیں۔ روسی فوج کے چند ہزار سپاہیوں کی موت سے روس کے اندر جو ہنگامے کھڑے ہوئے تھے 'ان کو فرو کرنے کے لئے فوج کو واپس بلایا گیا تھا۔ ملحد ہونے کی وجہ سے یہ لوگ موت سے ڈرتے ہیں اور اپنے ملک کے لئے خوشدلی سے کوئی قربانی نہیں دے سکتے۔ روسی قوم کی بزدلی ضرب المثل ہے۔ مجھے اس وقت دوسری عالمی جنگ کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ جنگ کے ابتدائی ایام میں جرمنی اور روس آپس میں حلیف تھے۔ دونوں نے پولینڈ کے بارے میں "نصفٌ لی و نصفٌ لکمْ" کہہ کر یہ فیصلہ کیا کہ اپنے اپنے حصے پر حملہ کر کے اسے فتح کر لو۔ جرمنی نے تو واک اوور کر کے اپنے حصے پر تسلط جما لیا۔ روس کا معاملہ خردر گِل کا سا ہو گیا۔ اس کا جو قدم آگے بڑھتا' وہی پیچھے ہٹ جاتا۔ آخر ہٹلر کی فوج نے وہ حصہ بھی فتح کر کے روس کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ روسی کوئی جنگجو قوم نہیں۔

ان کی امن پسندی کے ہم کیسے قائل ہو جائیں جب ان کی طرف سے ہتھیاروں کی سپلائی بہت بڑے پیمانے پر بدستور جاری ہے۔ انہوں نے صرف اپنے جوانوں کی جانیں بچائی ہیں 'شرارت سے ہاتھ نہیں کھینچا۔

بقول غالب ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

ان کا مقابلہ ان لوگوں سے ہے جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھتے ہیں 'جو رجز پڑھتے ہوئے سر سے کفن باندھ کر میدان میں جاتے ہیں اور پھر شہید یا غازی بن کر مقصدِ حیات کو پا جاتے ہیں۔ ان کا اقبال کی طرح عقیدہ ہے کہ ؎

از مرگ ترسی اے زندہ جاوید؟
مرگ است صیدے تو در کمینی!

(اے ہمیشہ زندہ رہنے والے ؛ کیا تو موت سے ڈرتا ہے؟ موت تو تیرا شکار ہے۔ تو اس کی گھات میں ہے)

افغانستان کے بارے میں پاکستان اور اقوام متحدہ کی پالیسی یہی رہی ہے کہ اس کی اصلی حیثیت بحال کی جائے جس کا اقتضا یہ ہے کہ افغانستان ایک آزاد مسلمان ریاست کی حیثیت سے نقشۂ عالم پر دوبارہ واپس آئے۔ البتہ ان دنوں ہماری اپنی پالیسی کچھ گومگو کی حالت میں ہے مستقبل کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

آج کل بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "ایران اور پاکستان کی افغان پالیسی شروع سے ہی ایک رہی ہے"۔ حالانکہ یہ کبھی یکساں نہیں تھی۔ ایران نے ابھی ابھی عراق سے گلو خلاصی کرائی ہے۔ کوئی نیا جھنجٹ مول لینا اس کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔

ابھی کل کی بات ہے کہ ایران ' پاکستان کے ساتھ افغان پالیسی پر تبادلہ ء خیال کرنے کا روادار نہ تھا۔ ہمارے وزیر خارجہ کو صرف اتنی "اجازت" تھی کہ اپنی بات سنا لے۔ ان کی طرف سے کبھی کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں ہوا۔ مگر آج کے تبدیل شدہ حالات میں پوری ایرانی حکومت جلے پیروں کی بلی بن کر اِدھر اُدھر اس طرح سلسلہ جنبانی کر رہی ہے کہ اس کا فائدہ ہمارے دشمنوں کو پہنچ رہا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ایران پہلے کی طرح خاموش رہے اور مجاہدین کے راستے میں کانٹے بچھانے سے احتراز کرے۔

اب اس بد قسمت ملک کو دو یا تین حصوں میں تقسیم کرنے کی تجاویز بھی سامنے آرہی ہیں۔ ہمارے موجودہ حکمران خاندان کا جھکاؤ بھی چونکہ ایران کی طرف ہے' اس لئے خطرہ ہے کہ وہ اس دامِ ہمرنگِ زمیں کے حلقے کسنے میں خود بھی شامل نہ ہو جائیں۔ وزیر اعظم زیارات کے لئے ایران جانا چاہتی ہیں۔ انہیں وہاں جا کر کسی معاہدے پر دستخط کرنے سے پہلے اس کے مضمرات پر سو بار سوچنا ہوگا۔

آنے والا دور جنگِ افغانستان کو کیا نئی شکل عطا کرتا ہے' اس کے بارے میں پیش گوئی کرنا ابھی مشکل ہے' شاید تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرائے گی۔ جناب رفسنجانی کا مشن کئی طرح کے وسوسوں کو جنم دیتا ہے۔ محبِ وطن اہلِ صحافت (جو کسی ملک کا چوتھا اور مضبوط ستون کہلاتے ہیں) پر لازم ہے کہ وہ اس کے مضمرات سے قوم کو آگاہ کریں۔ اشارے کنائے سے نہیں' واضح اور واشگاف الفاظ میں!

پچھلے دنوں محترم گورباچوف نے ازبکستان سے ایک آواز لگائی ہے کہ یہاں کی سُنی اکثریت شیعہ اقلیت پر ظلم ڈھا رہی ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی اشتراکی لیڈر بلکہ سربراہِ مملکت نے اس انداز میں بات کی ہے۔ مدبّر اور فہمیدہ لوگ جلتی پر تیل نہیں ڈالا کرتے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اور اس سے ان کا کیا مقصد ہے؟ کہیں وہ اس خطّے میں شیعہ سنّی فساد تو نہیں کرانا چاہتے؟

میری گزارش ہے کہ ایران ' افغانستان کے بارے میں دخل در معقولات کرنا چھوڑ دے تو صرف ہزارہ جات ہی نہیں' پورا افغانستان اس کا دوست بن کر رہے گا۔ اگر آپ ایک مختصر سا کوہستانی

علاقہ اپنے زیرِ اثر لاکر پورے ملک کو اپنا دشمن بنالیں تو یہ کوئی دانشمندی نہیں ' روس کے اندر سے احیاءِ اسلام کی خبریں مسلسل آرہی ہیں۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ اشتراکی قیادت خود یہ شکایت کر رہی ہے کہ "بنیاد پرست مسلمان" روس میں ہنگامہ خیزی کر رہے ہیں۔ تعجب اس بات پر ہے کہ ۷۲ سال کے جبر و قہر کے باوصف یہ بنیاد پرست مسلمان زندہ کیسے رہ گئے؟ وقت اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ روس کے اندر اور روس کے باہر ہم آپس میں اتحاد و اتفاق کی مثال پیش کر کے ایک مضبوط موقف اختیار کریں اور تاریخ کے دامن سے اپنے اپنے حصے کے دھبے دھو ڈالیں۔

(۲)

'نہی عن المنکر' پر عمل پیرا ہونا' وقت کا امر ہے

مراد آباد (بھارت) سے ملّتِ اسلامیہ کا درد رکھنے والے ایک بزرگ کا خط

تازہ 'میثاق' سے امر بالمعروف نہی المنکر کے عالی عمل کی بشارت ملی۔ اس وقت پُورا عالمِ اسلام اِس عمل کا محتاج ہے۔ جو عذاب منڈلا رہے ہیں اور جو برس رہے ہیں اُن کا تریاق یہی ہے۔ یہ وقت کا امر ہے۔ اِس کو چلانے والے اور چلنے والوں کے لیے دِلوں سے دعائیں نکل رہی ہیں۔ ہماری ملّت اِس وقت جس حال میں ہے اس کے لیے یہی راہ عمل کارگر ہے۔ آپ کے اس اقدام نے پاکستان کی بقا کی راہ نکالی ہے۔ اِس وقت ملک دَورہی پر چلا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے لیے ایک غیبی نظام کارفرما ہے۔ نواب لیاقت علی خاں شہیدؒ کے بعد جو کچھ ہوتا رہا ہے اب اس سے بھی زیادہ بھیانک صورتِ حال ہے۔ حق تعالیٰ استقامت و قبولیت عطا فرمائے۔ میرا یہ عریضہ میثاق میں دے دیجئے۔ پچھلا والا بھی دینا چاہیے تھا۔ ایک درخواست یہ ہے میثاق کی تحریر بہت باریک کر دی گئی ہے' یہ تو دعوت کے عظیم عمل کا شاہ کار ہے۔ براہِ کرم اسے خوب جلی قلم سے شائع کیا جاتا رہے۔ تاکہ ہر عامی معیار کا اور کمزور نگاہ والا مجھ جیسا بھی خوب مطالعہ کر کے عمل کی راہ پر پڑ سکے۔ چاہے مضامین کم ہو جائیں۔ ہم پسماندوں کے علاقہ میں خدا کرے آپ کی تشریف آوری ہو۔ براہِ کرم جب ہو تو ذرا قبل سے مطلع فرمائیں بڑا کرم ہوگا۔

خادم محتاج دعائے مغفرت افتخار فریدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا

اے ہمارے رب، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

اور اے ہمارے رب، ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اور اے ہمارے رب، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد	بھگوان سٹریٹ پرانی انارکلی لاہور

تحریک رجوع الی القرآن

دینی تعلیم کا ایک سالہ نصاب

عربی زبان سیکھ کر قرآن حکیم کا براہِ راست فہم حاصل کرنے کا بہترین موقع

——— لطف الرحمٰن خان

یہ بات اراکینِ انجمن کے علم میں ہے کہ قرآن اکیڈمی کے قیام کا اصل مقصد ایسے تعلیم یافتہ افراد کی تیاری ہے جو جدید علوم کی کسی بھی شاخ میں اعلیٰ علمی استعداد کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان اور قرآنی علوم پر بھی خاطر خواہ دسترس رکھتے ہوں تاکہ وہ قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کو دورِ حاضر کی اعلیٰ علمی سطح پر پیش کر سکیں۔ کسی بھی علمی تحریک کی کامیابی کے لئے ایسے ادارے کا وجود ضروری ہے جو اس علمی تحریک کے مقاصد کی آبیاری کر سکے اور اس عمل کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھ سکے۔

یہی وجہ ہے کہ اکیڈمی کی تعمیرات کی تکمیل کے فوراً بعد ۱۹۸۲ء میں فیلو شپ اسکیم کا آغاز کیا گیا جس میں سات اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے تعلیم و تعلّمِ قرآن کے لئے زندگی وقف کرنے کے عزم کے ساتھ شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ ان میں سے اکثر آج بھی رجوع الی القرآن کی اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں "دو سالہ تدریسی کورس" کے نام سے ایک نئی تعلیمی اسکیم کا آغاز کیا گیا جس میں ترجیحاً ایم۔ اے اور بی۔ اے پاس طلبہ کو داخلہ دیا جاتا تھا اور دو سال کے عرصہ میں عربی اور ترجمہ ء قرآن کی بھرپور تعلیم کے ساتھ ساتھ حدیث اور فقہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۷ء تک اس کورس میں چار گروپوں کے داخلے ہوئے جن میں داخلہ لینے والے طلبا کی مجموعی تعداد تقریباً ۸۰ تھی جبکہ تعلیم کی تکمیل کرنے والے طلبا کی مجموعی تعداد تقریباً ۳۰ رہی۔

"دو سالہ تدریسی کورس" میں تعلیم مکمل کرنے والے اکثر طلبا نے اپنے اپنے طبعی میلان اور صلاحیت کے مطابق میدانِ عمل منتخب کر کے ہماری تحریک رجوع الی القرآن کے ساتھ براہ راست وابستگی اختیار کی ہے اور اس سلسلے میں گرانقدر خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ تعلیم مکمل کرنے والے جو طلبہ اپنی معاشی جدوجہد میں واپس چلے گئے ہیں وہ بھی اپنے اپنے حلقہ میں کسی نہ کسی انداز میں قرآن کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کی یہ خدمات بھی ہماری تحریک کا بالواسطہ اثاثہ ہیں۔

جو طلباء تعلیم مکمل نہ کر سکے ان کے متعلق ہمارا احساس اور مشاہدہ یہ ہے کہ وہ بھی کلیتاً تہی دامن

نہیں رہے۔ اُن میں سے اکثر کے بارے میں بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جتنا عرصہ وہ اکیڈمی میں رہے انہوں نے کچھ نہ کچھ علم حاصل کیا' ان کی فکر موروثی عقیدوں کے رہگزار سے نکل کر علمی بنیادوں پر مستحکم ہوئی اور ان کے خدمتِ قرآنی کے جذبہ کی آبیاری ہوئی اور اب وہ اپنے معاشرہ میں الحاد و بے دینی کے سیلاب کے خلاف پہلی دفاعی لائن کی حیثیت سے ہماری جدّوجہد میں شریک ہیں' گو بالواسطہ ہی سہی۔

مذکورہ بالا تجزیہ کی روشنی میں "دو سالہ تدریسی کورس" کا چار سالہ دور اگر قابلِ فخر نہیں تو مایوس کن بھی نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اسی نے ہمیں یہ ہمت اور توفیق عطا فرمائی کہ موجودہ حالات اور معاشرہ میں ہم سے جو بھی بن پڑا ہم کر گذرے اور یہ بھی اسی کا کرم ہے کہ اُس نے ہمیں اس کام کو جاری رکھنے کا عزمِ نو بخشا ہے۔

ایک سالہ کورس کا آغاز

دو سالہ کورس میں داخلوں کے دوران کچھ ایسے اصحاب سے بھی رابطہ ہوا جو دینی تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ اور شوق تو رکھتے تھے لیکن ان کے لئے دو سال کے لئے چھٹی لینا یا کاروباری مصروفیات سے فراغت حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ ان لوگوں کا اصرار ہوتا تھا کہ اس کورس کی میعاد مزید کم کر کے اسے ایک سال میں مکمل کرانے کی منصوبہ بندی کی جائے۔

اس خواہش کو سامنے رکھ کر جب دو سالہ کورس کے نصاب کا جائزہ لیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ اس کورس کے پہلے سال دیگر مضامین کے ساتھ اصل تعلیم عربی زبان و قواعد کی ہوتی ہے' جبکہ دوسرے سال بنیادی اہمیت ترجمہء قرآن کو حاصل ہے چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک ہی سال کے اندر طلباء کو محکم بنیادوں پر عربی قواعد کی تعلیم بھی دی جائے اور ساتھ ہی قرآن حکیم کے منتخب مقامات کی تدریس کے ذریعے فلسفہ و حکمتِ قرآنی سے بھی انہیں روشناس کرا دیا جائے۔ گویا وہ بنیاد فراہم کر دی جائے کہ طلباء اپنے طور پر عربی زبان کی مزید تحصیل بھی کر سکیں اور ترجمہء قرآن کے معاملے میں انہیں دشواری پیش نہ آئے۔

یہ فیصلہ کرنے میں اس بات سے بھی مدد ملی کہ استاذِ محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب کے ترجمہء قرآن کے مکمل دروس ٹیپ کر لئے گئے ہیں جو انجمن کے مکتبہ سے دستیاب ہیں۔ اس کے علاوہ "لغات و اعرابِ قرآن" پر ان کی تالیف ماہنامہ "حکمت قرآن" میں قسط وار شائع ہونا شروع ہو گئی ہے۔ ایک سالہ کورس مکمل کرنے والے طلباء مطالعہء قرآن میں ان دونوں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس فیصلہ کے پیش نظر ۱۹۸۸ء میں ایک سالہ کورس کے پہلے گروپ کو داخلہ دیا گیا جو انشاء اللہ اس سال ستمبر میں سالانہ امتحان دے کر فارغ ہو گا۔

اس گروپ میں کُل ۲۲ طلباء نے داخلہ لیا' جن میں سے ۶ انجنیئر ہیں۔ ان میں سے ایک طالب علم نے

امریکہ سے سول انجنیرنگ میں M.S کیا ہوا ہے۔ شرکاء میں سے ۳ ڈاکٹر ہیں اور ایک طالب علم نے انگریزی ادب میں M.A کیا ہے۔ ۲۲ میں سے ۱۴ طلباء مختلف مرحلوں پر مختلف مجبوریوں کی بناپر کورس میں اپنی شرکت کو برقرار نہ رکھ سکے ۔ لیکن ہمیں اندازہ ہے کہ وہ بھی کچھ نہ کچھ سیکھ کر گئے ہیں بالخصوص وہ طلباء جو ششماہی امتحان کامیابی سے پاس کر کے گئے ہیں۔

باقی ۸ طلباء انشاء اللہ سالانہ امتحان میں شریک ہوں گے۔ یہ وہ طلباء ہیں جنہوں نے پورے سال خود کو تحصیلِ علم کے لئے وقف کئے رکھا اور یہی ہماری محنت کا حقیقی ثمرہ ہیں جس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں اور دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کی محنت کو شرف قبولیت عطافرمائے اور انہیں اقامتِ دین کی جدوجہد کا سپاہی بنائے۔ (آمین)

واضح رہے کہ اس سے قبل دوسالہ تدریسی نصاب میں شریک طلبہ کو معین شرح سے وظیفہ بھی دیاجاتا تھا۔ ایم۔ اے یا اس کے مساوی ڈگری رکھنے والے طالب علم کو ماہانہ ایک ہزار روپیہ اور گریجویشن تک تعلیم مکمل کرنے والے طلبہ کو ۸۰۰ روپے تک وظائف دیئے جاتے تھے ۔جبکہ ایک سالہ تعلیمی کورس کے شرکاء کو وظائف کی پیشکش نہیں کی جاتی۔

ایک سالہ کورس میں نئے داخلے

ایک سالہ کورس کے دوسرے گروپ کے لئے داخلہ کی درخواستیں انشاء اللہ ستمبر میں طلب کی جائیں گی۔ جو اصحاب اس کورس میں داخلہ کے متعلق سوچ رہے ہیں ان کی خصوصی توجہ کے لئے ہم چند گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں۔

کورس کو درمیان میں چھوڑ کر جانے والے طلباء کے اپنے انفرادی حالات اور مسائل بھی یقیناً ہوتے ہیں لیکن ایسے تمام طلباء کے درمیان ایک مسئلہ مشترک ہوتا ہے اور وہ یہ کہ صبح کے وقت تقریباً ساڑھے پانچ یا چھ گھنٹے کی پڑھائی کے بعد یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے کہ شام کو روزانہ دو تین گھنٹے اسباق کے اعادہ کے لئے وقف کئے جائیں۔ جو طلباء اپنی دفتری یا کاروباری مصروفیات کی بناپر باقاعدگی سے ایسا نہیں کر پاتے ان کے لئے کلاس کے ساتھ چلنا ممکن نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں انفرادی مسائل ایک اضافی سبب بن جاتے ہیں۔

اس لئے داخلہ کا ارادہ رکھنے والے اصحاب سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اپنے معمولات کا اس نقطہء نظر سے جائزہ لیں کہ انہیں صرف صبح کے اوقات ہی تعلیم کے لئے فارغ نہیں کرنے ہیں بلکہ شام کے وقت بھی کم از کم ڈیڑھ دو گھنٹے اس مقصد کے لئے فارغ کرنے ہیں۔ دو سالہ اور ایک سالہ کورسز کا تجربہ شاہد ہے کہ جن طلباء نے اس کا اہتمام کرلیا انہوں نے اپنی تعلیم کی تکمیل کرلی اور اس سلسلہ میں حائل ذاتی مسائل پر بھی قابو پانے میں کامیاب رہے۔

لمحۂ فکریہ

ہمیں ٹھنڈے دل و دماغ سے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ دنیوی علوم کے حصول اور اس دنیا کی کامیابی کے لئے ہم اپنی زندگی کا کتنا حصہ کتنی تندہی اور یکسوئی کے ساتھ وقف کر چکے ہیں اور آئندہ کے لئے کیا منصوبے ہیں۔ لیکن اپنے رب کے کلام کو سمجھنے اور پڑھنے کے لئے کیا ہمارے پاس ایک سال بھی نہیں ہے جبکہ اس پر دائمی زندگی کی کامیابی کا انحصار بھی ہے اور اس زندگی کی حقیقی مسرتیں اور سکون بھی اسی پر منحصر ہیں۔

ہمارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بہت چونکا دینے والا ہے کہ قیامت کے دن قرآن مجید یا تو ہمارے خلاف حجت بنے گا یا ہمارے حق میں۔ ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِذن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین بار یا چار بار (یہاں راوی کو شبہ ہے) دوزخیوں کو آگ سے نکال کر لائیں گے اور جنت میں داخل کر دیں گے۔ اس کے بعد آپؐ فرمائیں گے کہ میرے ربّ! اب تو بس وہی لوگ رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن فرامین کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن جن کے خلاف حجت بنے گا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہیں گے اور ہمیشہ ہمیش کے لئے آگ میں رہیں گے۔ دوسری بات یہ سوچیں کہ قرآن کن کے خلاف حجت بنے گا اور وہ کون لوگ ہوں گے جن کو قرآن آپؐ کی شفاعت سے محروم کر دے گا؟ آپ کے فرمودات کی روشنی میں اس سوال کا جواب بھی بہت سادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس دنیا میں قرآن مجید کے حقوق کو ادا کرنے میں تساہل برتیں گے۔

اس ضمن میں زیادہ بہتر تو یہی ہے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کتابچہ "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا از سر نو مطالعہ کر کے ایک مرتبہ پھر ہم اپنا جائزہ لے لیں کہ قرآن کے حقوق کی ادائیگی میں ہم سے کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی ہے؟ لیکن میں یہاں اُن حضرات کے لئے جنہوں نے دنیاوی تعلیم کے حصول میں برس ہا برس لگائے ہوں' ایک ایم۔اے نہیں کئی کئی ایم۔اے کئے ہوں یا کم سے کم یہ کہ گریجویشن میں ۱۴ سال کھپائے ہوں' مذکورہ بالا کتابچے کا ایک نکتے کا اختصار کے ساتھ بیان ضروری سمجھتا ہوں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے بڑی وضاحت سے اس بات کو بیان کیا ہے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لانے اور اس کی تلاوت کرنے کے بعد قرآن کا تیسرا حق یہ ہے کہ "اسے سمجھا جائے"۔ ظاہر ہے کہ کلامِ الٰہی نازل ہی اس لئے ہوا ہے اور اس پر ایمان کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ اس کا فہم حاصل کیا جائے۔ سمجھے بغیر صرف تلاوت کرنے کا جواز ایسے لوگوں کے لئے تو ہے جو تعلیم سے محروم رہ گئے۔ ایسے لوگ اگر ٹوٹے پھوٹے طریق پر تلاوت کر لیں تو بھی بہت غنیمت ہے اور اس کا ثواب انہیں ضرور ملے گا۔ لیکن

پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے تعلیم پر زندگی کا اچھا بھلا عرصہ صرف کر دیا' بہت سے علوم و فنون حاصل کئے اور صرف مادری نہیں بلکہ غیر ملکی زبانیں بھی سیکھیں' اگر قرآن مجید کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر و توہین کے مجرم گردانیں جائیں۔

قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کے کئی درجے ہیں۔ اولین درجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کا رواں ترجمہ بھی ذہن نشین ہوتا چلا جائے اور قرآنی آیات میں نصیحت و عظمت کا جو پہلو ہے اسے انسان اخذ کرتا چلا جائے۔ اس درجے کو "تذکر بالقرآن" کہتے ہیں اور یہ ہر انسان کی ضرورت ہے خواہ وہ معاشرہ کے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "تذکر" کے لئے قرآن کو انتہائی آسان بنادیا ہے اور ایک ہی سورت میں چار مرتبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ہم نے آسان بنادیا ہے قرآن کو یاد دہانی کے لئے۔ تو ہے کوئی یاد دہانی سے فائدہ اٹھانے والا"!!!

لیکن "تذکر بالقرآن" کے لئے عربی زبان کا اتنا علم حاصل کرنا ناگزیر ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے متن سے نظر ہٹائے بغیر قاری اس کے مفہوم سے سرسری آگاہی حاصل کرتا چلا جائے۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عربی زبان کی اس قدر تحصیل ہر پڑھے لکھے مسلمان کے لئے فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔

ایک مسلمان جس نے بی۔اے' ایم۔اے پاس کیا ہو۔ غیر ملکی زبان سیکھی ہو۔ ڈاکٹری اور انجینیرنگ کی ہو' وہ اتنی سی بھی عربی نہ سیکھ سکنے پر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کیا عذر پیش کر سکے گا؟ یہ وہ سوال ہے جس پر ہم سب کو ٹھنڈے دل سے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔ اور اس اہم موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے جو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے "ایک سالہ تدریسی نصاب" کی شکل میں ہر پڑھے لکھے شخص کے لئے فراہم کیا ہے۔

عربی زبان کی پختہ بنیادوں پر تحصیل اور قرآن کے منتخب مقامات کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل

ایک سالہ تدریسی نصاب میں داخلہ

کے سلسلے میں

۱۔ گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ حضرات سے درخواستیں مطلوب ہیں۔
۲۔ نتیجہ کے منتظر طلبہ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔
۳۔ درخواستیں وصول کرنے کی آخری تاریخ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۹ء ہے۔

نوٹ: نصاب اور دیگر تفصیلات خط لکھ کر دفتر انجمن' ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور سے طلب کریں

رفتارِ کار

خموشی گفتگو ہے

صحافت میں عریانی و فحاشی کی ترویج کے خلاف

کراچی میں ایک علامتی مظاہرہ

جولائی کا آخری ہفتہ کراچی میں شدید بارشوں کی نذر ہو گیا۔ برسات کی آفات سے متعلق اخبارات نے بڑی بڑی سرخیاں لگائیں لیکن اسی موسم میں یہاں ایک بڑا واقعہ رونما ہوا جس سے اخبارات نے بڑی حد تک اغماض برتا اور خبر کو غیر نمایاں کر کے چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔ معاملہ دراصل یہ تھا کہ تنظیم اسلامی (کراچی) نے اعلان شدہ دو روزہ پروگرام کے مطابق روزنامہ "نوائے وقت" اور "جنگ" کے دفاتر کے سامنے اخبارات و جرائد میں فحاشی و عریانی کی اشاعت کے خلاف خاموش و پرامن علامتی مظاہرہ کیا۔ تنظیم اسلامی نے ان مظاہروں کا آغاز لاہور سے کیا تھا۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ اخبارات کے رنگین صفحات بالعموم اداکاراؤں، ماڈلوں اور آبرو باختہ عورتوں کی اداؤں کی عکاسی کے لئے وقف ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں باقاعدہ ایک دوڑ لگی ہوئی ہے، جس کے سدِباب کی اشد ضرورت ہے۔

بدھ ۲۶ جولائی ۱۹۸۹ء کو مظاہرین تقریباً ۵ بجے شام سے ہی "نوائے وقت" کے قریب ایک مسجد میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے، جہاں انہوں نے تلاوتِ قرآن پاک اور اذکارِ مسنونہ میں مشغول رہنے کے بعد نماز عصر باجماعت ادا کی۔ شدید اور مسلسل بارش کے باوجود کراچی کے ہر علاقے سے افراد شریک ہوئے۔ بعد از نماز عصر تنظیم اسلامی (پاکستان) کے مرکزی ناظم تربیت میاں محمد نعیم صاحب نے مختصر خطاب کیا اور شرکاء مظاہرہ کو ضروری ہدایات دیں۔ بعدازیں مظاہرین نے دو دو کی قطار میں "نوائے وقت" کے دفتر کی طرف مارچ کیا۔ شرکاء جو کہ پہلے ہی بھیگے ہوئے تھے موسلادھار بارش میں مزید بھیگتے ہوئے نوائے وقت کے سامنے پورے نظم و ضبط کے ساتھ پہنچ گئے۔ وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے ۔

برہم ہوں بجلیاں کہ ہوائیں خلاف ہوں
کچھ بھی ہو اہتمامِ گلستاں کریں گے ہم!

شدید بارش کے باعث پلے کارڈز تو "ڈس پلے" نہیں کئے گئے البتہ بینرز کے ذریعے اپنے مدّعا و مقصد کا اظہار ضرور کیا گیا۔ بینرز پر اخبارات کی انتظامیہ کو متوجّہ و متنبّہ کرنے کے لئے مختلف عبارات درج

تھیں۔ مزار قائد کے سامنے سے گزرنے والی ٹریفک میں "اخبارات و جرائد میں فحاشی و عریانی کے خلاف ایک دردمندانہ اپیل" کے عنوان سے ایک ہینڈ بل بڑی تعداد میں تقسیم کیا گیا۔ اس دوران نہ تو کسی قسم کی نعرہ بازی کی گئی نہ تقریر، حتیٰ کہ مظاہرین نے آپس میں گفتگو سے بھی اجتناب کیا اور ایک مثالی ڈسپلن کا مظاہرہ کیا۔ مظاہرین اللہ رب العزت کے ذکر سے طمانیتِ قلبی حاصل کرتے رہے۔ ٹریفک بھی حسبِ معمول رواں دواں رہی اور اس میں قطعاً کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ بارش کی وجہ سے دھیمی رفتار سے چلتی ہوئی ٹریفک کے مسافر بڑی آسانی سے ہینڈ بل وصول کرتے رہے۔ پولیس کی موبائل گاڑی میں بیٹھے سپاہی بھی بڑی حیرت و استعجاب سے جائے وقوعہ کا معائنہ دور ہی دور سے کرتے رہے۔

دورانِ مظاہرہ تنظیم کے اکابرین نے نوائے وقت کی انتظامیہ سے ملاقات کی اور ایک عرضداشت پیش کی جس میں اُن سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنے اخبار میں عریانی و فحاشی کی اشاعت ترک کر دیں۔

اس مظاہرہ کو نقّار خانہ میں طوطی کی آواز قرار دینے کے باوجود اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ عریانی و فحاشی کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی یہ ادنیٰ سی کوشش اللہ کے ہاں انشاءاللہ ضرور مقبول ہوگی۔ اگرچہ فضا میں ارتعاش پیدا نہ بھی ہو تاہم کسی درجہ میں مخاطبین کو متوجہ تو کیا جاسکے گا۔ کیا عجب کہ آئندہ اسی راہ پر چلنے کی ہمت پکڑنے والے کسی "فتح قریب" سے بھی نوازے جائیں۔ تنظیم اسلامی نے، جو کہ ابھی تنظیم سازی ہی کے مرحلے میں ہے، اقامتِ دین کی جدّوجہد کرنے والی دیگر جماعتوں کے لئے ایک جہت (LINE OF ACTION) متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ تنظیم نے ابتدا کر دی ہے لیکن یہ بات مدِّنظر رہے کہ ایسے مظاہروں کا مقصد سیاسی و گروہی مفادات سے بالاتر ہو کر خالصتاً اللہ کی رضا کا حصول ہی ہو۔ بندوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جب چاہے انہیں پلٹ سکتا ہے۔ ان معاملات میں دردمندی و دلسوزی اور جذبۂ نصح و خیر خواہی کو کسی صورت بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

اسی طرح "دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت" کی کیفیت کا بغور جائزہ از حد ضروری ہے۔ اگر جذبہ سچا ہو تو "پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر"۔

اگلے روز یعنی جمعرات ۲۷ر جولائی کو مظاہرین "جنگ" کے قریب ایک مسجد میں جمع ہوئے اور نماز عصر کے بعد قافلہ ترتیب دیا گیا، ہدایات دی گئیں اور پھر پُروقار خاموشی کے ساتھ "جنگ" کی طرف روانگی ہوئی۔ آج بارش نہیں ہو رہی تھی اس لئے مظاہرین بینرز کے علاوہ پلے کارڈز بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ تھوڑے سے فاصلے پر واقع جنگ کی عمارت کے سامنے مظاہرین خاموش کھڑے ہو گئے اور حسبِ معمول اذکارِ مسنونہ میں مشغول رہے۔ چند افراد نے ہینڈ بلز تقسیم کئے۔ اسی اثناء میں تنظیم اسلامی کے رہنماؤں نے "جنگ" کے مالک میر خلیل الرحمٰن سے ملاقات کی اور انہیں عرضداشت پیش کی۔ اُن کی توجہ فحش و مخربِ اخلاق مواد کی اشاعت کی طرف دلائی گئی اور یہ یاددھانی بھی کرائی گئی

کہ ہر شخص کو موت کے مرحلے سے گزر کر حساب کتاب کے لئے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ اُس روز غفلت کے پردے چاک کر دیئے جائیں گے اور آنکھیں بڑی تیز بین ہو جائیں گی۔ یاد رہے کہ دو روز قبل ہی موصوف پر نامعلوم افراد نے قاتلانہ حملہ کیا تھا جس میں وہ بال بال بچ گئے تھے۔

کراچی کی فضاؤں میں یہ مظاہرے یقیناً بالکل انوکھے اور منفرد نوعیت کے تھے۔ ورنہ جس میں ہلڑ بازی نہ ہو' گاڑیوں کے شیشے تک نہ ٹوٹیں اور جس میں آنسو گیس تو کیا بارود کی بُو نہ رچ جائے وہ مظاہرہ ہی کیا۔ ٹریفک کا روک دیا جانا اور ٹائر جلا کر سڑکیں بند کر دینا تو ہے ہی مظاہروں کا جزوِ لازم...... لیکن جہاں خاموش مظاہرین 'انتہائی پرامن 'ٹریفک کے لئے سہولت پیدا کرنے والے اور نعرہ بازی کی بجائے ذکر و اذکار کرنے والے ہوں تو مکّار و چالاک طاغوت کو ضرور خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ "امن و امان" اور "ایمان" میں طاغوتی طاقتوں کو اپنی موت نظر آتی ہے۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے!

شاید انہیں خبر نہیں کہ جو لوگ اہلِ ایمان میں فحاشی کی ترویج و اشاعت کے خواہشمند ہوں اُن کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں دردناک عذاب ہے اور واقعی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ کون کون سا عذاب سہہ رہے ہیں اور آخرت کا حال تو کلیتاً اللہ ہی کے علم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

رحیم کاشفی

کراچی میں مبتدی رفقاء کے لئے تربیتی کیمپ کا انعقاد

(۲۱ تا ۲۸ جولائی ۸۹ء)

کسی بھی تنظیم کے لئے جو اپنے مقاصد کے حصول کی احسن انداز میں خواہاں ہو' کارکنوں کی مناسب تربیت ناگزیر ہوتی ہے اور جب کوئی تنظیم ملک کے نظام میں انقلابی تبدیلی چاہتی ہو تو اس تربیت کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تنظیم اسلامی نے اپنے رفقاء کی تربیت کا ایک مرحلہ وار نظام مرتب کیا ہے۔ اس ضمن میں گزشتہ دنوں مبتدی رفقاء کے لئے کراچی میں ایک تربیتی کیمپ منعقد کیا گیا' یہ اقامتی تربیتی کیمپ اے۔ ای' بلاک بی' نارتھ ناظم آباد' کراچی میں ۲۱ر جولائی کو شروع ہوا اور ۲۸ر جولائی کو کراچی کی مختلف تنظیموں کے مشترکہ اجتماع پر اختتام پذیر ہوا۔ اس کیمپ میں ۱۳ رفقاء نے ہمہ وقتی' جبکہ کچھ رفقاء نے جزوقتی شرکت کی۔ کیمپ کے پروگرام تنظیم کا تفصیلی تعارف' نصاب میں شامل لٹریچر کا اجتماعی مطالعہ اور قرآن مجید کی تصحیح تلاوت کے علاوہ تزکیہء نفس اور ذکر و فکر کی محافل پر

مشتمل تھے۔

رفقائے تنظیم کو شاعر مشرق علامہ اقبال کے اس مصرعے کا مصداق بنانے کے لئے کہ ع "کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی" اکابرین تنظیم نے روزانہ پروگرام کا آغاز صبح ۴ بجے رکھا تھا۔ صبح صادق تک نوافل کا اہتمام اور چند منٹوں کے لئے ادعیہ ماثورہ اور اذکار مسنونہ کا مذاکرہ کیا جاتا تاکہ ہر رفیق کو یہ دعائیں اور اذکار ازبر ہو جائیں۔ اذان کے بعد سنتوں کی ادائیگی اور جماعت کے قیام تک قرآن مجید کی تلاوت کا پروگرام جامع مسجد المدینہ میں رکھا گیا تھا جو قیام گاہ سے چند قدم کے فاصلے پر واقع تھی۔ نماز فجر کے بعد مسجد کے امام صاحب جو بنوری ٹاؤن کے دار العلوم سے فارغ التحصیل عالم ہیں درس قرآن دیتے۔ نماز اشراق کی ادائیگی کے بعد رفقاء واپس قیام گاہ آتے اور ساڑھے سات بجے تک آرام کرتے۔ ناشتہ کے بعد ساڑھے آٹھ بجے پہلا پیریڈ لگتا جو صدر انجمن خدام القرآن سندھ سراج الحق سید صاحب لیتے۔ ان کے لیکچرز کا اپنا ایک منفرد اسٹائل ہے جس میں ہلکے پھلکے مزاح کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے جس کی وجہ سے رفقاء ان کی بھاری بھرکم شخصیت سے مرعوب ہونے کے بجائے ان کے مذاکراتی انداز درس سے استفادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے لیکچرز کے دوران تنظیم کا تفصیلی تعارف، اس کا انتظامی ڈھانچہ اور ذمہ دار حضرات کی ذمہ داریوں کی تفصیلات کا بڑی خوبی سے احاطہ کیا۔ ساتھ ہی "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" نامی کتابچہ کا جو کہ مبتدی رفیق کے نصاب میں شامل ہے اجتماعی مطالعہ کرایا۔ ان کے لیکچرز کے دوران ایک خاص بات یہ نوٹ کی گئی کہ موصوف اپنے مزاج کی سختی کو، جس کے لئے وہ مشہور ہیں شاید اپنی قیام گاہ پر چھوڑ آئے تھے۔ ان کا پیریڈ ساڑھے نو بجے اختتام کو پہنچتا۔ دوسرا پیریڈ استماعِ کیسٹ کا ہوتا جس میں نصاب میں شامل مختلف موضوعات پر مشتمل کیسٹس سنائی جاتیں۔ اس کے بعد ۲۵ منٹ کے لئے چائے کا وقفہ ہوتا۔

وقفہ کے بعد ۱۰۔ ۱۲ تک ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبد الخالق کا پیریڈ ہوتا جس میں قرآن وحدیث کے حوالے سے اخلاقی برائیوں پر سیر حاصل گفتگو ہوتی۔ ناظم اعلیٰ صاحب پیشے کے اعتبار سے ڈینٹل سرجن ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے چہرے پر گھمبیرتا زیادہ نظر آتی ہے لیکن گفتگو کا انداز نہایت مشفقانہ اور موثر ہوتا جس کی بناء پر رفقاء نے ان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا۔ اس کے بعد مطالعہ ء لٹریچر کا پیریڈ ہوتا جو جناب اسد الرحمٰن صاحب لیتے۔ موصوف کراچی کے رفقاء میں درس قرآن کے حوالے سے زیادہ متعارف ہیں اور شاید یہ قرآن مجید ہی کا اعجاز ہے کہ ان کی گفتگو میں فصاحت وبلاغت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ انہوں نے بڑے ہی دل نشین انداز میں نصاب میں شامل کتب کا اجتماعی مطالعہ کرایا۔ نماز ظہر اور ظہرانے کے بعد قیلولہ کے لئے ۲ گھنٹے کا وقفہ ہوتا۔ ساڑھے چار بجے چائے پیش کی جاتی جس کے بعد رفقاء نماز عصر کی تیاری کرتے۔

انقلاب اسلامی کا لٹریچر قرآن مجید ہے جس کی تفہیم اور تبلیغ وتبیین کے لئے سب سے پہلی ضرورت اس کے الفاظ کی درست ادائیگی ہے۔ چنانچہ عصر اور مغرب کے درمیان تصحیح تلاوت کا پیریڈ رکھا گیا

تھا' جو بہت مفید ثابت ہوا۔ قاری صاحب صحیح تلاوت کی مشق کروانے کے ساتھ ساتھ تجوید کے بنیادی قواعد بھی بتاتے۔ ان کے دلچسپ انداز تعلیم نے شرکاء میں فن تجوید کے لئے خاصی دلچسپی اور پیاس پیدا کر دی۔

نماز مغرب کے بعد امیر محترم کے خطابات کے ویڈیو کیسٹ دکھائے جاتے۔ یہ خطابات امیر محترم نے "تنظیم اسلامی کا تعارف اور اسلام کا انقلابی منشور" کے عنوان سے گزشتہ ماہ لاہور میں منعقد ہونے والی تربیت گاہ میں فرمائے تھے۔ یہ خطابات چھ ویڈیو کیسٹ پر مشتمل تھے لیکن افسوس کہ وی سی آر میں خرابی کی بناء پر یہ کیسٹ مکمل طور پر نہ دیکھے جا سکے۔ نماز عشاء کے بعد کھانا ہوتا اور پھر آرام کیا جاتا۔

آپ حیران ہوں گے کہ پورے دن کی روداد میں ناظم تربیت صاحب کا کہیں ذکر ہی نہیں آیا..... ہمارے مرکزی ناظم تربیت جناب میاں محمد نعیم صاحب بڑی باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔ مسکراہٹ ہر وقت ان کے چہرے پر رقصاں رہتی ہے۔ شب و روز کی مصروفیات کے باوجود تھکان کا نام و نشان بھی کسی وقت نظر نہیں آتا۔ اس تربیتی کیمپ میں اگرچہ انہوں نے براہ راست تعلیم و تدریس کے فرائض انجام نہیں دیئے لیکن تمام پروگراموں کی تنظیم و ترتیب اور تقسیم اوقات کا نظام انہی کے باصلاحیت ہاتھوں میں تھا۔ اس کیمپ میں جناب ناظم تربیت نے کراچی کے رفقاء کو بھرپور موقع دیا کہ وہ آئندہ کے پروگراموں کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ سوائے جناب ناظم اعلیٰ کے پروگرام کے باقی تمام پروگرام کراچی کے رفقاء ہی نے کنڈکٹ (CONDUCT) کئے۔

جناب ناظم تربیت نے رفقاء سے امیر محترم کے خانگی و معاشی حالات پر خطاب کیا جس میں رفقاء کو امیر محترم کی پر عزیمت زندگی کے بارے میں تفصیلات بہم پہنچائیں اور ان میں بھی راہِ عزیمت پر گامزن ہونے کا ولولہ پیدا کیا..... جناب ناظم تربیت نے اخبارات کے دفاتر کے سامنے ہونے والے فحاشی و عریانی کے خلاف مظاہروں میں بھی اپنی بہترین تنظیمی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا.....

اس تربیت گاہ کا نقد نفع تو یہ حاصل ہوا کہ رفقاء کے آپس کے تعلقات میں پختگی پیدا ہوئی اور یقیناً انہوں نے اس تربیت گاہ کے دوران "دین کے جامع تصور" کو سمجھتے ہوئے "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کی اہمیت کا اندازہ کر لیا ہو گا اور "تنظیم اسلامی کے قرار داد تاسیس اور اس کی توضیحات" کے لئے "اسلام کے انقلابی منشور" (ULTIMATE CONSEQUENCES) کو ذہن نشین کر لیا ہو گا اور اب وہ اللہ تعالیٰ سے تنظیم اسلامی کے سایہ دار درخت سے پیوستہ رہ کر امید بہار لگائے اس کی آبیاری میں معروف ہوں گے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امیر محترم کے اس حسن ظن کو عملی صورت عطا فرمادے جو انہیں اس خطۂ زمین سے احیائے اسلام کے سلسلے میں ہے۔ آمین۔

مرتب: عبدالسمیع، کراچی

اخبارات میں عریانی و فحاشی کی بڑھتی ہوئی وبا کے خلاف
راولپنڈی میں رفقاء تنظیم اسلامی کا مظاہرہ

امیر محترم کا ماہانہ درس قرآن کمیونٹی سنٹر ہال اسلام آباد میں گزشتہ تقریباً سات سال سے منعقد ہو رہا تھا۔ جس میں کبھی کبھی امیر محترم کی ملک سے غیر حاضری یا کبھی کسی اور سبب سے ناغہ ہو جاتا تھا۔ لیکن اس سال حکومت کی طرف سے بندش کے باعث درس قرآن کا انعقاد نہ ہو سکا۔ (اس سلسلے میں تفصیلی وضاحتی نوٹ ماہ جون کے میثاق کے "عرض احوال" میں شائع کیا جا چکا ہے) بالآخر پچھلے ماہ مسجد الشہداء آب پارہ اسلام آباد میں ۷ر اگست ۱۹۸۹ء کے لئے امیر محترم کے درس قرآن کا انعقاد طے پایا اور موضوع وہی رکھا گیا جس پر حکومت نے پابندی لگادی تھی۔ یعنی "اسلام میں مساواتِ مرد وزن"۔ اس درس سے متصل اگلے روز یعنی ۸ر اگست ۱۹۸۹ء بعد نماز عصر راولپنڈی میں روزنامہ "جنگ" اور "نوائے وقت" کے دفاتر کے سامنے خاموش احتجاجی مظاہرے کا پروگرام بھی اسی موقع پر ترتیب دیا گیا۔

ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان جناب ڈاکٹر عبد الخالق صاحب ۶ر اگست بعد دوپہر راولپنڈی تشریف لے آئے اور بعد نمازِ عصر اسی دن رفقائے تنظیم اسلامی راولپنڈی اسلام آباد کا ایک اجتماع منعقد ہوا' جس میں دیگر امور کے علاوہ مظاہرے کے انعقاد سے متعلق انتظامی معاملات کی تفصیلات طے کی گئیں۔ اگلی صبح جناب ناظم اعلیٰ نے راقم کے ہمرہ مظاہرے سے متعلق جگہوں کا جائزہ لیا۔ فاصلوں کا اندازہ کیا گیا اور دیگر جزیات پر غور کیا۔ اسی شام امیر محترم کا درس قرآن بخیر و خوبی منعقد ہوا اس کے بعد عمومی سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ پشاور اور چکوال کے بعض رفقاء مظاہرے میں شرکت کی غرض سے درس سے قبل ہی اسلام آباد پہنچ چکے تھے۔ نماز عشاء وہیں مسجد میں ادا کی گئی۔ اور اس کے بعد مہمان رفقاء قیام کے لئے فیری لینڈ سکول سٹلائٹ ٹاؤن روانہ ہو گئے۔

اگلے دن یعنی ۸ر اگست کو لاہور' گجرات اور فیصل آباد سے بھی بعض رفقاء راولپنڈی پہنچ گئے۔ شام پانچ بجے تمام رفقاء نے لیاقت باغ کے سبزہ زار میں درختوں کی چھاؤں میں مولانا فیض الرحمٰن صاحب کی اقتدا میں نماز عصر ادا کی۔ نماز سے قبل تمام رفقاء کو ضروری ہدایات کی یاد دہانی کرائی گئی۔ اور سینئر رفقاء کے ذمے مختلف فرائض سونپے گئے۔ اس کے بعد رفقاء پہلے سے طے شدہ جگہ پر جمع ہو گئے اور تشکیل (FORMATION) مکمل کی گئی۔ یہاں سے روزنامہ "جنگ" کے دفتر کا فاصلہ ۱۰۰ میٹر سے زیادہ نہ تھا۔ جسے طے کرنے کے بعد رفقاء باوقار انداز میں بالکل خاموشی سے' حسب ہدایت دل میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے مقررہ ہدف پر رک گئے۔ ترتیب وہی تھی۔ یعنی دو قطاروں میں پلے کارڈز اور بینرز لئے اس حال میں کہ سڑک اور روزنامہ "جنگ" کا دفتر' دونوں سامنے کی جانب تھے۔ ایسے

جیسے سیسہ پلائی دیوار' داڑھیوں سے مزین چہرے' صاف ستھرالباس' سرڈھانپے ہوئے' من میں اپنے رب سے لولگائے' نظم وضبط کے پابند' حق کا کلمہ بلند کرنے والے اور باطل سے نہ دبنے کا عزم رکھنے والے ڈیڑھ سو افراد کی یہ جمعیت ایسے کھڑی تھی جیسے ایک تسبیح کے دانے۔

صف بندی کے ذمہ دار چودھری محمد اسحاق صاحب' عبدالرزاق صاحب' یونس قریشی صاحب تھے۔ آٹھ رفقاء کی ایک ٹکڑی جس کے ذمے دو ورقہ تقسیم کرنا تھا۔ غلام مرتضٰی اعوان صاحب کی سربراہی میں مستعدی سے اپنا کام سرانجام دے رہی تھی۔ روزنامہ جنگ کے سامنے آدھ گھنٹہ خاموش مظاہرہ کرنے کے بعد اسی صف بندی اور ترتیب سے رفقاء مری روڈ پر صدر کی جانب پیدل روانہ ہوگئے۔ دو کلومیٹر کا فاصلہ وقت کی کمی کے باعث تیزی کے ساتھ بیس منٹ میں طے کر کے رفقاء بینک روڈ پر واقع روزنامہ "نوائے وقت" کے دفتر کے سامنے پہنچ گئے اور اسی نظم وضبط کے ساتھ خاموش احتجاج کی تصویر بن کر کھڑے ہوگئے۔ یہاں بھی بڑی تعداد میں دو ورقہ تقسیم کیا گیا۔ موقع پر موجود پولیس دستے کے نگران آفیسر سے راقم کی تفصیلی بات چیت ہوئی۔

انہوں نے مظاہرے کے موضوع اور طریق کار کو بہت سراہا۔ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے ہر دو اخبارات کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر صاحبان کو ایک ایک یادداشت بھی پیش کی' جس میں اخبارات میں تیزی کے ساتھ پھیلتی ہوئی بے پردگی اور عریانی کی وباء کی جانب انہیں دلسوزی کے ساتھ متوجہ کیا گیا تھا اور ملک وقوم اور دین ومذہب کی خیر خواہی کے حوالے سے انہیں اپنے طرز عمل میں اصلاح کی تلقین کی گئی تھی۔ آدھ گھنٹے کے بعد یہ مظاہرہ اختتام پذیر ہوا۔ رفقاء پورے نظم کے ساتھ وہاں سے چل کر جی ٹی ایس کے یارڈ میں پہنچے جہاں بینرز اور پلے کارڈز اکٹھے کئے گئے۔ اس کے بعد قریب ہی مارکیٹ چوک میں جامعہ اسلامیہ کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی گئی۔ نماز مغرب کے بعد مہمان رفقاء کے لئے قریب ہی ایک گھر میں کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔

الحمدللہ کہ اس مظاہرے کی تیاری سے لے کر اختتام تک تمام مراحل بہت حسن وخوبی سے مکمل ہوئے۔ اور نظم میں کہیں کوئی جھول نظر نہیں آیا۔ جو یقیناً بہت خوش آئند بات ہے۔

ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آئی ہیں۔ ان کا دھیما اور مشفقانہ انداز سب کو بہت بھایا۔ قیام وطعام کا انتظام جناب اکرم واسطی صاحب نے بہت محنت اور مستعدی سے کیا۔ پشاور سے جناب غلام رسول رحمانی صاحب' راولپنڈی سے جناب عابد اکرام اللہ صاحب اور جناب رؤف اکبر صاحب نے رفقاء کی مہمانداری میں خصوصی معاونت کی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی محنتوں کو شرف قبول عطا فرمائے۔ (آمین)

اس مظاہرے کا ایک اضافی فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ راولپنڈی میں تنظیم اسلامی کا تعارف وسیع پیمانے پر ہوا۔ عوام کا ردعمل معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اس مظاہرے کو بحیثیت مجموعی سراہا گیا اور ایک نہایت شریفانہ انداز مظاہرہ اُن کے سامنے آیا ہے۔ ایک پولیس آفیسر نے یہاں تک کہا کہ ایسے مظاہرے تسلسل سے ہونے چاہئیں۔

مرتب: محمد نیاز مرزا' راولپنڈی

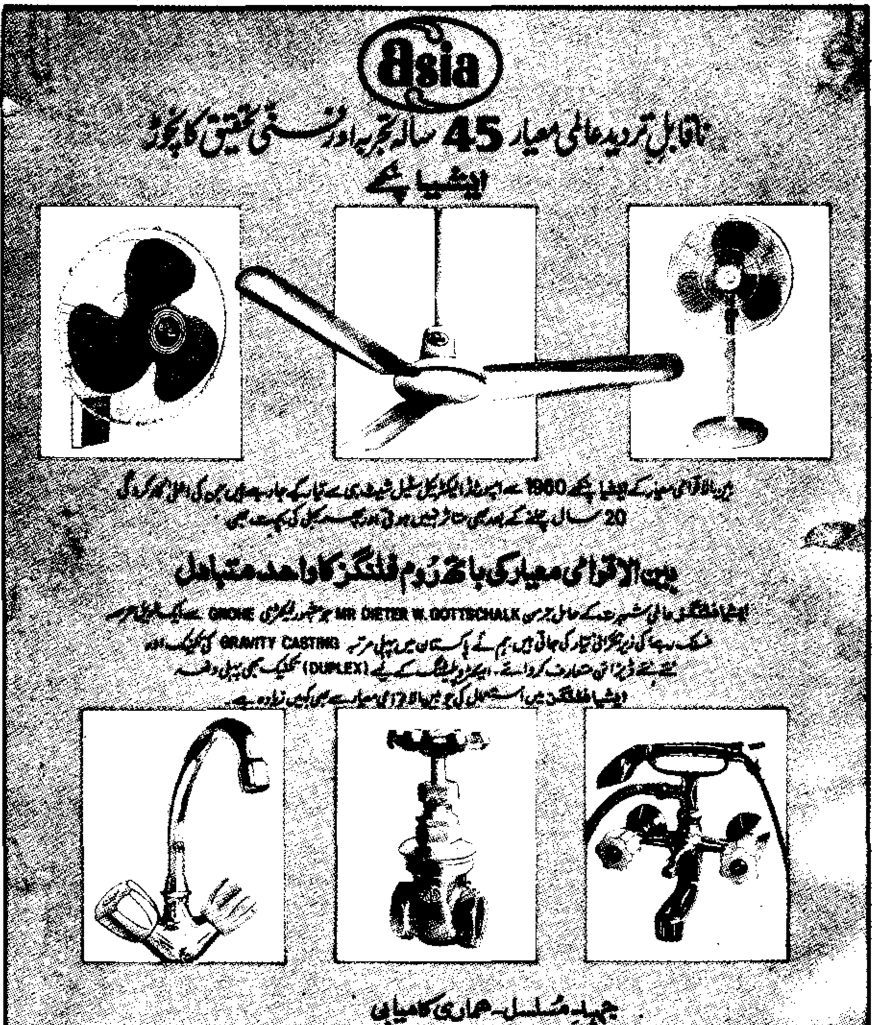
asia
ناقابلِ تردید عالمی معیار 45 سالہ تجربہ اور مسلسل تحقیق کا نچوڑ
ایشیا پنکھے
بین الاقوامی معیاری باتھ رُوم فٹنگز کا واحد متبادل
GROHE
MR DIETER W. GOTTSCHALK
GRAVITY CASTING
(DUPLEX)
جہدِ مسلسل۔ ہماری کامیابی
انور انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ANWAR PK 4564
52430
239675
62581
65075

PARAGON

Jawad®
Products

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV/C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd.L.No 7360
VOL.38 No.9
SEPTEMBER 1989

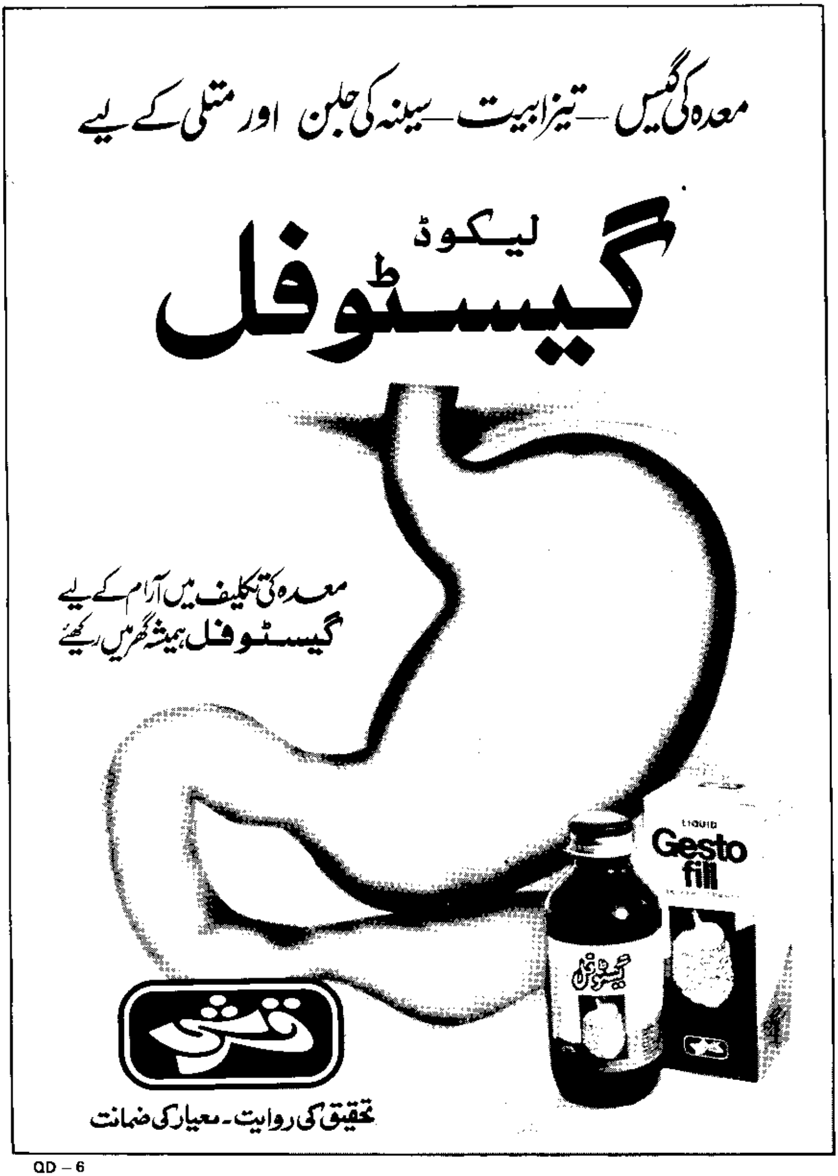

QD – 6